خوف زدہ آدمی

www.UrduFanz.com
محمود فاروق فرزانہ
اور
انسپکٹر جمشید سیریز
خوف زدہ آدمی
اشتیاق احمد

دو باتیں

میں ابھی تک وادی دہشت کی دہشت کے زیر اثر ہوں اور آپ کے مسلسل موصول ہونے والے خطوط اس دہشت کو اور بڑھا رہے ہیں۔ یوں لگتا ہے، میں مجسمہ دہشت بن کر رہ جاؤں گا۔ موصول ہونے والے خطوط بھی کچھ کم دہشت ناک نہیں، انہیں پڑھ پڑھ کر دل اور ہول کھا جاتے ہیں۔ عجیب و غریب قسم کے مطالبات کیے جا رہے ہیں اور میں حیران ہوں کہ کس کس مطالبے پر غور کروں اور کس کس پر نہ کروں…… ابھی یہ پر دہشت سلسلہ نہ جانے کب تک جاری رہے۔ ان خطوط کے جوابات کا مسئلہ بھی بہت ٹیڑھا ہے، بلکہ ٹیڑھی کھیر ہے۔ میں اپنے معاون کی مدد سے اس ٹیڑھی کھیر کو سیدھا کرنے کی سر توڑ کوشش میں مصروف ہوں…… یہ اور بات ہے کہ سیدھا کرتے کرتے میں خود ہی نہ سیدھا ہو جاؤں اور آپ یہ پڑھنے کو بھی ترس جائیں۔ اشتیاق رے اشتیاق تیری کونسی کل سیدھی…… ہونے یہ رہا ہے کہ ناول کی عین وقت پر اشاعت عجیب و غریب مرحلوں سے گزرنے پر مجبور کرتی ہے۔ مجھے خود بھی ذاتی حالات کا سامنا ہے۔ آپ کا مطالبہ آ رہا ہے۔ ناول وقت پر ملنے چاہئیں۔۔ اب اگر میں نے یہ کہہ دیا کہ میں وادی دہشت اور اس کے بعد والے ناول لکھنے کے دوران بیمار رہا ہوں تو پھر ایک نیا سلسلہ شروع ہو جائے گا، چنانچہ…… میں ایسی کوئی بات نہیں لکھوں گا…… جی ہاں میں بالکل تندرست ہوں۔ الحمدللہ! بس دعا کرتے رہا کریں!

اشتیاق احمد

ترتیب

حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ چوتھا صفحہ ترتیب کے لیے مخصوص ہے
اس لیے عنوان وہی رہے گا، البتہ خبردار، ہوشیار، خطرناک بھوت اور بھوت
کے خلاف کمر باندھ لینے کی ضرورت ضرور ہے۔
کسی نقلی اشتیاق احمد نے چار نقلی کتابیں کراچی سے چھاپی ہیں، پتا لاہور کا
لکھا ہے، مکتبے کا نام مکتبہ اشتیاق رکھا ہے، کتابوں کے نام گرین لڑکی، گولڈن شو
نقلی نانا دان اور چمک دار انسان ہیں۔
یاد رکھیے، میرے ناول صرف اور صرف مکتبہ اشتیاق سے شائع ہوتے
ہیں، مکتبہ اشتیاق راجپوت مارکیٹ محمود بازار کا پتا دیکھ کر ناول خریدیں،
سرورق کے پیچھے میری تصویر بھی دیکھ لیں، ایسا نہ ہو، آپ اپنے پیسے
ضائع کر بیٹھیں، ایسے لوگ آپ کو دھوکا دینے کا خواب دیکھ رہے ہیں، ان
کا خواب چکنا چور کر دیں، جھوٹ، بے ایمانی، دھوکے، فریب اور جعل سازی
کے خلاف ڈٹ جائیے.... بھرپور انداز میں میرا ساتھ دیجیے....

آپ کا

اشتیاق احمد

غلام خانہ

مسٹر اسلام خان.... آپ نے کبھی کبوتر بازوں کو دیکھا ہے، وہ
بہت سے کبوتروں کو قید رکھتے ہیں، انہیں اڑاتے ہیں، فضا میں
اڑتے ہوئے بھی کبوتر ان کے قیدی ہوتے ہیں، وہ ان کے ایک
اشارے پر واپس آ کر اپنے پنجرے میں بند ہو جاتے ہیں، گویا وہ
کبوتر ان کے غلام ہیں، قیدی ہیں، ان کے حکم کے بغیر کہیں نہیں جا
سکتے ہیں، فضا میں ہوتے ہوئے بھی وہ ان سے بھاگ کر کہیں
جانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے جبکہ پرندے آزاد رہ
کر خوش رہتے ہیں، اسی طرح آپ نے مداریوں کو دیکھا ہوگا، ان
کے پاس بھی کچھ جانور ہوتے ہیں، وہ جانور مداریوں کے اشاروں پر
ناچتے ہیں، گویا یہ جانور بھی ان کے قیدی ہیں۔ اسی طرح مسٹر اسلام
خان میرے بھی کچھ غلام ہیں، وہ میرے اشاروں پر ناچتے ہیں، میرے
حکم کے بغیر کہیں آ جا نہیں سکتے.... میں اپنے غلاموں میں اضافہ کرنے
کا بہت شوقین ہوں۔ آج ان میں ایک اور کا اضافہ ہونے والا
ہے، میں آج بہت خوش ہوں اسی لیے.... پہلے میں آپ کو اپنے

غلام دکھا دوں ، انہیں دیکھ کر آپ کو حیرت تو ضرور ہوگی ، لیکن
نئے بکنے والے غلام کو دیکھ کر آپ کی حیرت فوراً دور ہو جائے
گی ..... چلیے میں آپ کو اپنا غلام خانہ دکھا دوں"

میزبان یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا - ایک پل سے گزرتے
ہی اسلام خان کی کار ایک کھڈے میں پھنس گئی تھی ، کھڈا
اسے نظر نہیں آیا تھا ، وہ اس وقت اپنے کاروبار ہی کے
بارے میں سوچ رہا تھا - کار کچھ اس بری طرح پھنسی کہ بڑی
کوشش کے بعد بھی نہ نکل سکی - اسی وقت ادھر سے ایک شخص کا
گزر ہوا ، اس نے اسلام خان کو مشکل میں دیکھ کر اس کی مدد
کرنا چاہی ، لیکن اس کی مدد سے بھی کار کھڈے سے نہ نکل
سکی - اس پر اس شخص نے کہا :

"میں یہاں نزدیک ہی رہتا ہوں ، آپ میرے ساتھ چلیے ....
وہاں میں دو تین ملازموں کو آپ کے ساتھ بھیج دوں گا اور
اس طرح آپ کی کار نکل آئے گی"

یہ ایک لمبے چوڑے قد کا آدمی تھا ، اس کے چہرے
سے شرافت ٹپک رہی تھی - اسلام خان نے ایک لمحے کے لیے سوچا
کہ کیا کرے ، سڑک دور دور تک سنسان تھی ، کوئی آتا نظر آ رہا
تھا نہ جاتا ، آخر لمبے آدمی کے ساتھ چل پڑا ، راستے میں وہ
بتانے لگا :

"میرا نام عرفان دانا ہے ، میں شہر سے دور دراز مقام پر
اس لیے رہتا ہوں کہ شہر کے ہنگاموں ، شور اور دھوئیں سے مجھے
وحشت ہوتی ہے ..... آپ کیا کرتے ہیں؟"

"میں ایک چھوٹی سی سٹیل مل کا مالک ہوں .... میں اپنے
بیوی بچوں کے ساتھ بہت خوشگوار زندگی گزار رہا ہوں ، دنیا میرے
لیے جنت کا ایک ٹکڑا ہے" اسلام خان نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"بہت خوب ! پھر تو آپ لاکھوں میں کھیل رہے ہوں گے"

"جی بس .... خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے"

پل کے دائیں طرف ڈھلان میں چلتے ہوئے ، درختوں کے
درمیان سے گزرتے ہوئے وہ ایک پرانی طرز کے مکان کے پاس پہنچ
پل پر سے یہ مکان نظر نہیں آتا تھا ، اگر درخت نہ ہوتے تو ضرور
صاف نظر آتا ، مکان پرانی طرز کا ضرور تھا ، لیکن تھا بہت لمبا چوڑا ،
بس یوں سمجھ لو کہ اچھا بھلا قلعہ نظر آ رہا تھا ، دروازہ بھی بہت
بھاری لکڑی کا تھا ، بہت اونچا اور چوڑا - اسے دیکھ کر اسلام خان
کو نہ جانے کیوں خوف کا احساس ہوا .... تاہم وہ خاموش رہا ، اسے
تو اپنی کار کھڈے سے نکلوانی تھی اور شہر کا راستہ لینا تھا ، وہ
دوسرے شہر میں اپنے کچھ تھوک دکانداروں سے رقمیں وصول کرنے
گیا تھا ، اس وقت اس کے بریف کیس میں تقریباً دو لاکھ روپے کی
رقم تھی اور بریف کیس وہ ہاتھ میں لے آیا تھا کہ کہیں اس

سے یہ رقم نہ ٹھگ لی جائے۔ تاہم عرفان دارا کے چہرے پر برسنے والی شرافت اسے یہاں تک کھینچ لائی تھی، یوں بھی اس کے ملازموں کی مدد کے بغیر وہ شہر نہیں پہنچ سکتا تھا.... شام ہو چلی تھی۔ سردیوں کے دن تھے، ایسے موسم میں دونوں طرف سے کسی کے آنے کا امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایک دو کاروں والے اگر آ بھی جاتے تو یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ کاروں سے اتر کر ان کی ضرور ہی مدد کر دیتے۔

قلعہ نما مکان کے دروازے پر پہنچ کر عرفان دارا نے دروازے میں لگے ہوئے کڑے کو گھمایا۔ اندر کھٹاک کی آواز پیدا ہوئی پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے دروازے کو دھکیلا، دروازہ آہستہ آہستہ کھلا، پھر وہ اندر داخل ہوئے۔ ساتھ ہی عرفان دارا نے بلند آواز میں پکارا:

"فیضو، کرمو.... چھیمو.... دوڑ کر ادھر آؤ۔"

اس کی آواز گونج کر رہ گئی، مکان کی دیواروں نے اسے دہرایا اور اسلام خان کو ایک عجیب سا احساس ہوا، اسی وقت عرفان دارا نے کہا:

"آپ یہاں تک تو آ ہی گئے ہیں، کیوں نہ میرے ساتھ ایک پیالی چائے کی بھی پی لیں.... مدت ہو گئی، میرے گھر میں کوئی مہمان نہیں آیا۔" عرفان دارا کی آواز میں حسرت تھی، اداسی تھی، التجا

تھی۔ اسلام خان انکار نہ کر سکا:

"بہتر، پی لیتا ہوں۔"

اسی وقت دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی اور تین پہلوان نما آدمی ان کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

"کیا حکم ہے ہمارے آقا؟"

"میرے مہمان ایک مصیبت میں پھنس گئے ہیں، ان کی کار پل والے کھڈے میں پھنس گئی ہے، تمہیں ان کی کار اس کھڈے میں سے نکالنی ہے، لیکن اس سے پہلے یہ میرے ساتھ ایک پیالی چائے کی پئیں گے، جاؤ، پہلے جا کر چائے بنا لاؤ اور ہاں.... اب دوڑ کر جانے کی ضرورت نہیں.... بالکل آہستہ آہستہ جاؤ.... سمجھ گئے؟"

"بہت بہتر ہمارے آقا" تینوں نے ایک ساتھ کہا، ایک ساتھ مڑے اور پھر اندر کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

وہ جس دروازے سے نمودار ہوئے تھے، اسی دروازے سے واپس گئے۔ عرفان دارا بھی اسی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے ہی سے گزر کر وہ ایک راہداری میں داخل ہوئے۔ پورا مکان سرخ اینٹوں کا بنا ہوا تھا، راہداری کا فرش بھی اینٹوں کا تھا۔ بائیں طرف ایک اور دروازہ نظر آیا۔ اس میں داخل ہوئے تو اسلام خان

نے خود کو ایک کھلے صحن میں پایا اور پھر نیلا آسمان تھا۔ صحن کے چاروں طرف کمروں کے دروازے نظر آ رہے تھے۔ دروازے کے ساتھ ہی دائیں کمرے کے دروازے کو دھکیلتے ہوئے عرفان دارا اندر داخل ہو گیا۔ مکان کا ماحول پراسرار سا تھا، اسلام خان کسی قدر پریشانی محسوس کرنے لگا، تاہم اسے کمرے میں تو داخل ہونا ہی پڑا:

"یہ میرا ڈرائنگ روم ہے۔" اس نے عرفان دارا کی آواز سنی، چونک کر دیکھا تو کمرے میں پرانی طرز کی کرسیاں اور میزیں بچھی تھیں۔ تاہم میزیں اور کرسیاں صاف ستھری تھیں، ان پر گرد اور میل نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

"تشریف رکھیے۔" عرفان دارا نے کہا اور پھر دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

"کیا آپ یہاں تنہا رہتے ہیں؟"

"ہاں! میں اس دنیا میں بالکل تنہا ہوں.... میرے ساتھ بس یہ تین ملازم رہتے ہیں...."

"لیکن آپ کام کیا کرتے ہیں؟"

"کام کیا کرنا، زمینیں ہیں کچھ.... مزارع ان پر ہل چلاتے ہیں، اچھی فصل ہو جاتی ہے۔"

اسی وقت ایک ملازم ایک ٹرے میں دو پیالیاں رکھے اندر داخل ہوا۔ گرم چائے کی بھاپ لہریں لیتی اوپر اٹھ رہی تھی۔

"لیجیے میرے آقا، آپ چونکہ بغیر شکر کی چائے پیتے ہیں، اس لیے آپ کا کپ یہ ہے۔" اس نے ٹرے رکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے فیضو، اب تم اپنے دونوں ساتھیوں کو لے کر پل پر چلے جاؤ اور ان کی کار کو کھڈے میں سے نکال کر سڑک کے کنارے کر دو، یہ چائے پی کر وہاں پہنچ جائیں گے۔"

"بہت بہتر میرے آقا۔" اس نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

"لیجیے جناب، چائے کا لطف اٹھائیے، میرے ملازم چائے بنانے کا فن خوب جانتے ہیں۔"

اسلام خان نے اپنی طرف والا کپ اٹھا کر منہ سے لگایا اور چائے کی چسکی لی، چائے واقعی لذیذ تھی۔ ابھی اس نے دو تین گھونٹ بھرے تھے کہ عرفان دارا نے کہنا شروع کیا:

"مسٹر اسلام خان.... آپ نے کبھی کبوتر بازوں کو دیکھا ہے...."

وہ کہتا چلا گیا اور آخر میں بولا:

"چلیے.... آپ کو اپنا غلام خانہ دکھا دوں۔"

اس وقت تک اسلام خان چائے ختم کر چکا تھا۔ اب جو اس نے عرفان دارا کے چہرے کی طرف دیکھا تو اسے اس شرافت کا دور دور تک نشان نظر نہ آیا جو پل پر ملاقات کے وقت نظر آئی تھی، اب اس کے چہرے پر درندگی تھی، اسلام نے محسوس کیا کہ آج تک اس نے اتنا بھیانک چہرہ پہلے کبھی نہیں

دیکھا..... اس کا خوف کئی گنا بڑھ گیا۔ اس نے چاہا، اٹھ کر وہاں سے بھاگ کھڑا ہو، وہ اٹھا ضرور، لیکن اس سے بھاگا نہ گیا۔ اس کے پاؤں تو سن سے ہو گئے تھے..... سر بُری طرح چکرا رہا تھا..... وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ اپنا بریف کیس وہ ڈرائنگ روم میں ہی چھوڑ آیا تھا..... بریف کیس کا تو خیال تک اس کے ذہن سے نکل گیا تھا۔

صحن کے دوسری طرف بنے کمروں میں سے پہلے کمرے کے دروازے کو دھکیل کر عرفان دارا اندر داخل ہو گیا۔ اس نے دیکھا، کمرے میں سات آدمی صرف نکرے پہنے ہوئے سر کے بل کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھ اور سر فرش پر تھے اور ٹانگیں اوپر لہرا رہی تھیں۔

"کیا حال ہے میرے غلاموں؟" عرفان دارا نے کہا۔

"بہت اچھا حال ہے آقا۔" انہوں نے ایک آواز ہو کر کہا۔

"تم سیدھے کیوں نہیں ہو جاتے؟"

"اس لیے کہ آپ کا حکم نہیں ہے۔"

"تو بند دروازے میں سے میں دیکھ تھوڑا ہی سکتا تھا، تم سانس لینے کے لیے تھوڑی دیر تک تو سیدھے ہو ہی سکتے تھے؟" عرفان دارا نے عجیب انداز میں مسکرا کر کہا۔

"نہیں..... نہیں..... ہم ایسا نہیں کریں گے..... ایسا نہیں کر سکتے۔" وہ چلائے۔ خوف سے ان کے رنگ اڑ گئے۔

"اچھا خیر..... اب میں تمہیں سیدھا ہونے کا حکم دیتا ہوں۔" عرفان دارا نے گرج دار آواز میں کہا۔

وہ سب سیدھے ہوئے اور اٹھ کھڑے ہو گئے۔

"آپ نے دیکھا مسٹر اسلام خان، یہ میری عدم موجودگی میں ذرا دیر کے لیے بھی سیدھے ہونے کی جرات نہیں کر سکتے..... آئیے..... ایک اور منظر دکھاؤں۔"

وہ اس کمرے سے نکل آئے اور اس کے ساتھ والے کمرے میں داخل ہوئے۔ یہاں نو آدمی کان پکڑے کھڑے تھے اور نو ان کی کمروں پر بیٹھے قہقہے لگا رہے تھے۔ یہ کمرہ پہلے کمرے کی نسبت بڑا تھا..... اسی وقت اوپر بیٹھے ہوؤں میں سے ایک نے کہا:

"کیوں..... میں تمہاری کمر پر سے اتر جاؤں؟"

"نہیں..... نہیں..... خدا کے لیے ہرگز نہ اترنا۔" نیچے والے نے کانپ کر کہا۔

"کیوں..... کیا تم تھک نہیں گئے ہو..... تمہاری ٹانگیں جواب نہیں دے رہی ہیں؟"

"بے شک یہی بات ہے، لیکن اس کے باوجود تم نہیں اترو گے۔"

"اچھی بات ہے..... نہیں اتروں گا۔"

"تم نے دیکھا .... مسٹر اسلام خان ...؟"
"آخر یہ سب کیا ہے؟" اسلام خان نے لرز کر کہا۔ چہرے پر اب ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔
"مجھے کبوتروں اور جانوروں کی بجائے انسانوں کو غلام بنانے میں مزا آتا ہے .... اس لاش کے تمام کمروں میں تمہیں اس قسم کے مناظر نظر آئیں گے .... آؤ میرے ساتھ۔"
وہ تیسرے کمرے میں داخل ہوئے۔ یہاں پانچ آدمی آلتی پالتی مارے فرش پر بیٹھے تھے اور پانچ آدمی ہاتھوں میں جوتے لیے ان کے سروں پر آہستہ آہستہ مار رہے تھے اور وہ اس طرح بیٹھے جوتے کھا رہے تھے جیسے سروں کی مالش کرا رہے ہوں۔
"اے فاروق کے بچے .... تم آہستہ آہستہ جوتا کیوں مار رہے ہو، ذرا اپنے ہاتھ میں تیزی لاؤ۔" اچانک نیچے والوں میں سے ایک کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔
"باس کا حکم ہے کہ اتنی زور سے جوتے نہ مارے جائیں کہ تم لوگ بے ہوش ہو جاؤ .... پھر ہماری باری پر ہمارے سروں پر جوتے کون مارے گا؟"
"تم نے دیکھا مسٹر اسلام خان .... یا ابھی کچھ اور دیکھنا پسند کرو گے؟" عرفان دارا اس کمرے سے نکلتے ہوئے بولا۔
"آخر یہ سب کیا ہے، تم مجھے یہ کیوں دکھا رہے ہو۔ تم

یہاں مجھے میری مدد کرنے کے لیے لائے تھے ....؟" اسلام خان نے پاگلوں کے سے انداز میں چیخ کر کہا۔
"تمہاری کار اس وقت نمک کھڈ میں سے نکالی جا چکی ہو گی، بے فکر رہو .... اگر اور مناظر نہیں دیکھنا چاہتے تو جاؤ .... اپنی کار میں بیٹھ کر اپنے گھر چلے جاؤ .... اور ہاں میں نے تم سے کہا تھا نا کہ آج میرے غلاموں میں ایک اور کا اضافہ ہونے والا ہے .... لہٰذا وہ نئے غلام تم ہی ہو .... لیکن تم ذرا دوسری قسم کے غلام ہو گے .... میں تمہیں اپنا گردن کبوتر بنا رہا ہوں .... تمہیں اڑنے کی اجازت دے رہا ہوں .... لیکن کل اسی وقت تم پھر یہاں آؤ گے .. بس اب جاؤ۔"
"کیا مطلب .... یعنی میں واقعی یہاں سے جا سکتا ہوں؟"
"ہاں! اگر نہ جاؤ گے تو پچھتاؤ گے۔"
"اور .... اور میں اپنا بریف کیس بھی لے جا سکتا ہوں؟"
"بالکل!" عرفان دارا نے کہا۔
اسلام خان کی حیرت کا کیا پوچھنا، تاہم وہ وہاں سے تیز تیز قدم اٹھاتا ڈرائنگ روم میں آیا، یہاں بریف کیس جوں کا توں موجود تھا .... بریف کیس اٹھا کر وہ باہر نکلا تو عرفان دارا کو اپنے سامنے پایا۔
"بریف کیس لے جانے کی اجازت دے رہا ہوں کہ

اس میں رقم بہت تھوڑی معلوم ہوتی ہے.... کل آؤ تو کوئی بڑا سا سوٹ کیس بھرتے لانا۔ بس اب جاؤ۔"

اسلام خان نے حیران ہو کر اسے دیکھا، جیسے اس کے سامنے کوئی پاگل آدمی موجود ہو، لیکن اس پاگل کا چہرہ اس لمحے اس قدر خوفناک ہو گیا تھا کہ وہ اس پر نظر نہ ٹکا سکا، مڑا اور راہداری میں نکل آیا.... پھر دروازے سے نکل کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے سامنے سے عرفان ولا کے تینوں ملازموں کو آتے دیکھا۔

"آپ کی کار گھنڈے سے نکال دی گئی ہے۔" فیضو نے کہا۔

"اوہ!" اس کے منہ سے نکلا اور پھر وہ بڑے دروازے میں سے نکلتا چلا گیا۔

دوڑنے کی طاقت خود میں وہ ابھی تک نہیں پا رہا تھا۔ پاؤں ابھی تک بہت بھاری محسوس ہو رہے تھے.... ذہن پر نیند سوار ہوتی جا رہی تھی.... اس کا جی چاہ رہا تھا ابھی لیٹ کر سو جائے.... لیکن وہ اس خوفناک جگہ سے جلد از جلد دور نکل جانا چاہتا تھا۔ آخر کار تک پہنچ گیا، وہ واقعی گھنڈے سے نکل چکی تھی.... وہ اس میں بیٹھا، بریف کیس دوسری سیٹ پر رکھا اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں.... نیند کا غلبہ بڑھ رہا تھا۔ آخر خدا خدا کر کے وہ گھر پہنچ گیا.... اس کی بیوی تسنیم اسلام اور بچوں عطیہ اسلام اور قادر اسلام نے دروازے پر

اس کا استقبال کیا، لیکن اسے پریشان حال دیکھ کر گھبرا گئے۔

"خیر تو ہے؟" بیگم نے پوچھا۔

"ہم.... میری طبیعت خراب ہے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ اندر کی طرف بڑھا.... بیوی اور بچے اسے سہارا دے کر اس کے بستر تک لے آئے، دوسرے ہی لمحے وہ دھڑام سے گرا اور سو گیا۔

آنکھ کھلی تو دو ڈاکٹر اس پر جھکے ہوئے تھے، اسے ہوش میں آتے دیکھ کر تسنیم بیگم کی آواز کانوں سے ٹکرائی:

"خدا کا شکر ہے.... آپ ہوش میں آ گئے۔"

"کیوں.... کیا میں بے ہوش ہو گیا تھا؟" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں.... بالکل آپ بستر پر گرتے ہی بے ہوش ہو گئے تھے۔ اس وقت سے ڈاکٹر صاحبان مسلسل آپ کو ہوش میں لانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔"

"کیا کہا.... مسلسل....؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں جناب! آپ تقریباً بائیس گھنٹے بے ہوش رہے ہیں۔"

"نہیں!" اس نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"جی ہاں! یہ بالکل ٹھیک ہے۔" دوسرے ڈاکٹر بولے۔ "لیکن ہم پوری کوشش کے باوجود بھی آپ کی بے ہوشی کی کوئی وجہ نہیں جان سکے۔"

"شاید میں بے ہوش ہوا ہی نہیں تھا.... گہری نیند سو گیا ہوں
گا.... مجھے اچھی طرح یاد ہے.... کل مجھے بہت زوروں کی نیند آ
رہی تھی۔"
"لیکن اتنی لمبی نیند.... بائیس گھنٹے کے بعد کہیں جا کر آپ نے
آنکھیں کھولی ہیں.... سویا ہوا آدمی تو صرف ہلانے جلانے سے ہوش
میں آ جاتا ہے.... آپ کو تو ہم نے کئی انجکشن دیے ہیں۔ تب
کہیں جا کر آپ نے آنکھیں کھولی ہیں۔"
"عجیب بات ہے.... آخر میں کیوں بے ہوش ہو گیا تھا۔"
"ابھی تک ہم معلوم نہیں کر سکے...."
"خیر! آپ لوگوں کا بہت بہت شکریہ.... بیگم ان کا بل ادا کر دو
.... میں ذرا ایک دو جگہ فون کروں گا۔"
یہ کہہ کر اسلام خان نے نزدیک ہی تپائی پر رکھا فون
اپنی طرف کھسکا لیا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر اپنی انڈسٹری کے منیجر کے
نمبر ڈائل کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اسے عرفان دارا کے بارے
میں ایک بات یاد آنے لگی، وہ سوچ میں ڈوبتا چلا گیا۔ فون
والا ہاتھ کریڈل پر جھکتا چلا گیا اور ریسیور کریڈل پر ٹک گیا۔ اس
کا ہاتھ وہیں جا رہ گیا.... اس دوران ڈاکٹر اور اس کے بی
بچے کمرے سے نکل گئے۔ شاید وہ ڈاکٹر صاحبان کو رخصت کرنے
گئے تھے۔ عرفان دارا کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔

"میں تمہیں اپنا گروان کبوتر بنا رہا ہوں، تمہیں اڑنے کی اجازت
دے رہا ہوں، لیکن کل تم اسی وقت یہاں آؤ گے.... بس اب
جاؤ۔ بریف کیس لے جانے کی اجازت اس لیے دے رہا ہوں کہ
اس میں نوٹ بہت کم معلوم ہوتے ہیں، کل آؤ تو بڑا سا سوٹ کیس
بھر کے لانا۔"
یہ الفاظ بار بار اس کے دماغ میں گونجنے لگے۔ پھر اس نے
خود سے کہا:
"آخر میں کیوں اس کے لیے نوٹوں کا سوٹ کیس بھر کے جاؤں،
کیا میرا دماغ خراب ہے، مجھے پولیس کو فون کرنا چاہیے.... پولیس
انسپکٹر مشرف زیدی میرا بہت گہرا دوست ہے، میں اسے ساری
کہانی سناؤں گا.... وہ فوراً عرفان دارا کو گرفتار کرے گا، آخر
اس نے اتنے آدمیوں کو کس قانون کے تحت گرفتار کر رکھا ہے۔
ٹھیک ہے، مجھے فوراً مشرف زیدی کو فون کرنا چاہیے۔"
ایک بار پھر اس نے فون کا ریسیور اٹھا لیا، ابھی پہلا ہی ہندسہ
گھمایا تھا کہ دماغ میں ایک تیز چبھن ہوئی، ریسیور اس کے ہاتھ سے
نکل گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ حلق سے ایک گھٹی
گھٹی چیخ نکل گئی، لیکن اس کی یہ چیخ کمرے سے باہر نہ جا سکی،
اس کا سر تکیے پر ٹک گیا اور ٹھنڈا.... ہو گیا، دونوں ہاتھوں
سے خوب ہی بھینچا، لیکن درد میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی.... اس

کے دماغ میں پھر وہی الفاظ گونجنے لگے۔

"تم کل اسی وقت یہاں آؤ گے.... اور ایک بڑا سا سوٹ کیس نوٹوں سے بھر لاؤ گے"

اس نے ہاتھ ہٹا کر یہ اندازہ کیا کہ اس طرح درد میں اضافہ ہوتا ہے یا کمی.... ہاتھ ہٹانے سے بھی کوئی فرق نظر نہ آیا۔ اب اس نے کمرے پر نظر ڈالی، الماری میں سے اپنا سوٹ کیس نکالا اور پھر تجوری کو کھول ڈالا.... اس میں سرخ رنگ کے نوٹوں کی گڈیاں بھری ہوئی تھیں۔ وہ جلدی جلدی گڈیاں سوٹ کیس میں بھرنے لگا۔ دماغ میں چل چل بھی تھی۔ چبھن اپنی جگہ بدستور موجود تھی.... اور پھر اس نے سوٹ کیس بھر لیا۔ تجوری میں پھر بھی نوٹ بچ رہے۔ اس نے سوٹ کیس بند کیا، عین اسی وقت اس کے دونوں بچے اور بیوی اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے سوٹ کیس کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا.... پھر اس کے چہرے پر نظر ڈال کر چونک اٹھے۔

"کیا ہوا، خیر تو ہے" بیگم نے گھبرا کر کہا۔

"مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے۔ ابھی واپس آ جاؤں گا.... دو ایک گھنٹے تک"

"لیکن آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے.... آپ کے چہرے سے ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے آپ شدید تکلیف میں ہوں" تسنیم بیگم نے کہا۔

"ہاں! میں اس وقت سخت تکلیف میں ہوں، اس تکلیف کے علاج کے لیے ہی مجھے جانا پڑ رہا ہے.... مجھے اپنے لیے وہاں سے دوا لانی ہے"

"کیا دوا یہاں نہیں منگائی جا سکتی" عطیہ نے پوچھا۔

"نہیں! مجھے خود جانا ہوگا"

"کیوں نہ ہم لوگ جا کر دوا لے آئیں...."

"نہیں! مجھے خود جانا ہوگا"

یہ کہہ کر اس نے سوٹ کیس اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھا، خالد اسلام نے جلدی سے کہا۔

"لیکن ابو.... اتنا بڑا سوٹ کیس ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت ہے.... آپ تو صرف دوا لینے کے لیے جا رہے ہیں"

"ہاں! لیکن تم نہیں جانتے.... میں واپس آکر تمہیں سب کچھ بتاؤں گا"

یہ کہتے ہی وہ کمرے سے نکل گیا، باہر نکل کر اپنی کار میں بیٹھا، سوٹ کیس پچھلی سیٹ پر ڈالا اور پھر کار پوری رفتار پر چھوڑ دی۔ آندھی اور طوفان کی طرح کار چلاتا وہ عرفان دارا کے مکان کے دروازے پر پہنچ گیا.... اس نے بٹن کا کھٹکا دبایا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھل گیا اور فیضو کی شکل دکھائی دی۔

"آہا مسٹر خالد اسلام.... آپ تو آدھا گھنٹہ پہلے ہی آ گئے"

"عرفان دادا کہاں ہیں؟" اس نے بدحواسی کے عالم میں کہا۔

"ڈرائنگ روم میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" فیفو نے مسکرا کر کہا۔

وہ جلدی جلدی قدم اٹھاتا ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ عرفان دادا کرسی پر دروازے کی طرف منہ کیے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک پراسرار مسکراہٹ رینگ رہی تھی۔

"تو تم پہنچ گئے مسٹر خالد۔ السلام۔"

"ہاں! لیکن یہ سب کیا ہے۔ میرے دماغ کو کیا ہوا؟"

"فکر نہ کرو.... تمہاری دوا میز پر موجود ہے۔"

اس نے چونک کر میز کو دیکھا.... میز پر ایک کپ چائے رکھا تھا۔

فون مت کرو

"عجیب بات ہے، آخر دوا لانے کے لیے اتنا بڑا سوٹ کیس ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت تھی؟" عطیہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"وہ ضرور اس میں نوٹ لے گئے ہیں۔" خالد بولا۔

"نوٹوں کے لیے بریف کیس کیا کم ہے۔" تسنیم بیگم نے کہا۔

"امی! آپ تجوری کھول کر تو دیکھ لیں۔"

"اچھا!" تسنیم بیگم نے کہا اور اپنی چابی سے تجوری کھول ڈالی۔ یہ دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئی کہ نوٹوں سے بھری تجوری میں اب بہت کم گڈیاں رہ گئی تھیں۔

"اف خدا وہ اتنے روپے کیوں لے گئے ہیں۔" تسنیم بیگم نے بوکھلا کر کہا۔

"معاملہ کچھ پراسرار سا لگتا ہے.... کل آتے ہی وہ بے ہوش ہو گئے.... ہوش میں آئے تو نوٹوں سے سوٹ کیس بھر کر لے گئے.... کہیں کسی کے جال میں تو نہیں پھنس گئے؟" عطیہ نے کہا۔

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"پھر اب ہم کیا کریں؟"

"میں مشرف زیدی کو فون کرتی ہوں" تسنیم بیگم بولیں۔

"لیکن میرے ذہن میں اس سے بھی اچھی ایک ترکیب آ رہی ہے.... کیوں نہ انسپکٹر جمشید کے بچوں کو فون کیا جائے۔"

"انسپکٹر جمشید کے بچے!" تسنیم بیگم کے منہ سے نکلا۔

دونوں بچے ان کے کارنامے آئے دن اخبارات میں پڑھتے رہتے تھے اور ان سے بے حد متاثر تھے.... وہ اکثر ان کی باتیں بھی کرتے رہتے.... ان کا جی چاہتا.... وہ ان سے ملیں.... بلکہ ان کے ساتھ کام بھی کریں، لیکن ایسا وہ صرف سوچ ہی سکتے تھے.....

"کیا وہ ہمیں جانتے ہیں؟" تھوڑی دیر بعد تسنیم بیگم نے کہا۔

"جی نہیں، لیکن اس کے باوجود وہ ہماری مدد کریں گے....!" خالد نے جلدی سے کہا۔

"لیکن مشرف زیدی کو فون کرنے میں کیا حرج ہے، وہ تمہارے ابو کے دوست بھی تو ہیں۔"

"وہ پولیس کے باقاعدہ ملازم ہیں.... انہیں ہماری مدد کرنے کے لیے بھی قانون کا سہارا لینا پڑے گا، اور پھر خدا جانے یہ کیا چکر ہے، ابو ان کی دخل اندازی کو پسند بھی کریں یا نہیں۔"

"اچھا.... خیر کرو.... انہی کو فون کرو، کیا تمہیں فون کا نمبر معلوم ہے؟"

"ابھی ڈائریکٹری میں دیکھ لیتے ہیں۔"

تینوں ڈائریکٹری پر جھک گئے.... جلد ہی انہوں نے نمبر تلاش کر لیے۔ عطیہ نے پنسل سے نمبر ڈائریکٹری کے اوپر والے صفحے پر لکھے اور پھر ریسیور ہاتھ میں لے کر نمبر گھمانے لگی.... لیکن دوسری طرف والا نمبر مصروف تھا۔ وہ انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد پھر نمبر ڈائل کیے، لیکن اب بھی سلسلہ نہ ملا۔

"لاؤ مجھے دو، میں ملاتا ہوں" خالد نے جھنجھلا کر کہا۔

"کیوں.... کیا تم کسی اور طریقے سے ملاؤ گے؟" عطیہ نے اسے گھورا۔

"لڑنے جھگڑنے کی کوشش نہ کرو، میں اس وقت بہت پریشان ہوں۔ شاید سوٹ کیس میں پانچ لاکھ کی رقم تو ضرور ہی لے گئے ہیں۔"

"ابھی لیجیے ابّی! اس بار سلسلہ ملا کر دکھاؤں گی" عطیہ نے کہا اور نہایت احتیاط سے نمبر گھمانے لگی۔ آخری ہندسہ گھماتے ہی اس نے دوسری طرف گھنٹی بجنے کی آواز سنی، اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

"لیجیے.... مل گیا سلسلہ.... دوسری طرف گھنٹی بج رہی ہے۔"

"خدا کا شکر ہے۔" خالد اور تسنیم بیگم نے ایک ساتھ کہا۔ عین اسی وقت دوسری طرف سے کسی نے کہا۔

"ہیلو..... آپ کو کس سے ملنا ہے۔"

"جی ..... میرا نام عطیہ ہے۔" عطیہ نے کہنا چاہا تھا کہ ایک ہاتھ نے ریسیور اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔ دوسرے ہی لمحے کمرے میں آواز گونجی:

"نہیں، تم کسی کو فون نہیں کرو گی۔"

○

"عجیب بات ہے۔" فرزانہ نے ریسیور کو گھورتے ہوئے کہا۔

"کبھی کوئی ایسی بات بھی کر لیا کرو، جو عجیب نہ ہو۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"ہاں، فاروق کا مطلب ہے، کبھی کوئی غریب بات بھی کر لیا کرو۔" محمود بھی بول پڑا۔

"محمود کیا تم بھی فاروق کا ساتھ دے رہے ہو۔" فرزانہ نے اسے بھی گھور کر دیکھا۔

"میں نے صرف ایک جملہ کہا ہے۔" محمود نے گویا اعلان کیا۔

"اچھا خیر، بات صرف اتنی سی ہے کہ ایک لڑکی نے ہمیں فون کیا تھا..... اس نے ابھی صرف اتنا کہا تھا، جی میرا نام عطیہ ہے.....

اور بس..... اس کے بعد کسی نے اس کے ہاتھ سے ریسیور چھین لیا، ہم نے ریسیور چھیننے والے کے یہ الفاظ بھی سنے ہیں..... تم کسی کو فون نہیں کرو گی، اب سوال یہ ہے کہ وہ لڑکی عطیہ ہمیں فون کیوں کرنا چاہتی تھی..... کسی نے اسے کیوں روک دیا۔ کیا یہ بات عجیب نہیں ہے۔" فرزانہ کہتی چلی گئی۔

"ہاں! کسی قدر عجیب ضرور ہے..... لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔" فاروق نے مایوسانہ انداز میں کندھے اچکائے۔

"پہلے تو ہم ایکس چینج سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں کہ ابھی ابھی ہمیں کس نمبر سے فون کیا گیا ہے، یہ بات اگر ہمیں معلوم ہو جائے تو ہم ڈائریکٹری میں اس نمبر کے سامنے لکھا ہوا نام اور پتا معلوم کر سکتے ہیں اور پھر یہ بھی کر سکتے ہیں کہ اس پتے پر جا کر دیکھیں، معاملہ کیا ہے۔" فرزانہ نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"ویری گڈ فرزانہ، واقعی ہم یہ کر سکتے ہیں۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"اور اگر ایکسچینج سے معلوم نہ ہو سکا۔" فاروق بولا۔

"اپنے اگر مگر کو سنبھال کر رکھو، ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔ ان کی ضرورت کام چوروں کو ہوتی ہے۔" فرزانہ نے جھلاتے ہوئے انداز میں کہا اور ایکس چینج کا نمبر گھمایا..... پھر اچانک

تعارف کراتے ہوئے اور اپنا نمبر بتاتے ہوئے بولی۔
"ابھی ابھی اس نمبر پر ہمیں فون کیا گیا تھا، ہم معلوم کرنا
چاہتے ہیں کہ فون کس نمبر سے کیا گیا، کیونکہ وہاں کوئی گڑبڑ
معلوم ہوتی ہے۔"
"اچھی بات ہے.... نمبر معلوم کرنے کی کوشش کر دیکھتے ہیں،
آپ انتظار کریں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔
"اب اگر ایکس چینج سے کچھ معلوم نہ ہو سکا تو تم کیا کرو گے؟"
فاروق نے طنزیہ لہجے میں کہا۔
"اس لڑکی کی آواز اور مردانہ آواز میرے کانوں میں گونج رہی
ہے، ہم ابھی تجربہ گاہ کا رُخ کریں گے.... ظاہر ہے کہ ان کے
درمیان باتیں ہو رہی ہوں گی۔" فرزانہ نے جواب دیا۔

"توبہ ہے.... تم سے....!" فاروق جھنجھلا اٹھا: "وادیٔ وحشت کی
تھکن ابھی تک نہیں اتری اور تم ایک اور کیس کو آواز دے رہی ہو۔"
"میں کیس کو آواز نہیں دے رہی، کیس ہمیں آواز دے رہا
ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔
"اس نے آواز ضرور دی تھی، مگر اس کی آواز دم توڑ گئی تھی،
اب تم اس دم توڑ جانے والی آواز کو جوڑنے کی کوشش کر
رہی ہو، جو اچھی کوشش نہیں ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔
"ہر کام چور ایسی باتیں کیا کرتا ہے۔"

"پانچ منٹ کے اندر تم نے مجھے دوسری مرتبہ کام چور کہا
ہے، تیسری بار برداشت نہیں کروں گا۔" فاروق نے گویا دھمکی دی۔
"یار بڑا حساب رکھتے ہو وقت کا۔" محمود نے اس کی تعریف کی۔
"تم چپ رہو، آج تم بھی فرزانہ کا ساتھ دینے پر تل گئے ہو۔"
"ایک تو تم بات بات پر تلنے لگتے ہو۔" بیگم جمشید نے باورچی
خانے سے نکلتے ہوئے کہا، ان کے ہاتھ میں خالی برتن تھے۔
"اوہ امی جان.... آپ.... یہ آپ اتنے سارے برتن کیوں
اٹھائے لا رہی ہیں، کیا آج کسی قسم کی چائے پلانے کا ارادہ
ہے؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔
"آج میں نے بیگم شیرازی کو چائے پر بلایا ہے.... بہت
دن ہو گئے ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔"
"یہ آپ نے بہت اچھا کیا.... جب سے ہمارے ہاں فون لگا
ہے، ان کے ہاں جانا بہت کم ہو گیا ہے.... ابا جان بھی
آج اب تک نہیں آئے....!" محمود نے کہا۔
"ابھی ابھی پانچ بج کر صرف دس منٹ ہی تو ہوئے ہیں۔"
فاروق نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔
"لیکن وہ دس منٹ بھی لیٹ نہیں ہوتے، تم یہ کیوں بھول رہے
ہو۔" محمود اس کی طرف الٹ پڑا۔
اسی وقت فرزانہ کو ٹیلیفون کی گھنٹی سنائی دی، اس نے

بھی جلدی سے کہا۔

"ہیلو!"

"آپ کو فون ۴۵۶۱۹ سے کیا گیا تھا۔۔۔"

"بہت بہت شکریہ!" فرزانہ نے نمبر نوٹ کرتے ہوئے کہا۔ پھر ریسیور رکھ کر ان کی طرف مڑی۔

"لو بھئی، نمبر معلوم ہو گیا ہے، اب ہم ڈائریکٹری میں نام اور پتا بھی دیکھ سکتے ہیں۔"

"ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے، تم ان نمبروں پر فون کر کے عطیہ نامی لڑکی سے بات کر لو، یہ ظاہر کر سکتی ہو کہ تم اس کی سہیلی ہو۔" محمود نے تجویز پیش کی۔

"نہیں، ایسا اس شخص کو ہوشیار ہونے کا موقع نہیں دوں گی جس نے عطیہ کو فون کرنے سے روک دیا ہے۔۔۔"

"آخر زبردستی کیس مول لینے کی کیا ضرورت ہے؟" فاروق نے تنگ آ کر کہا۔

"تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اس وقت کوئی گھرانہ مشکل میں ہے اور اس کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔"

عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ انداز انسپکٹر جمشید کا تھا۔ فرزانہ دروازے کی طرف لپکی۔ پھر جونہی انسپکٹر جمشید کی شکل انہیں نظر آئی، بیگم جمشید نے کہا۔

"مبارک ہو، آپ کے سپوتوں نے شاید ایک عدد کیس مول لے لیا ہے۔"

"کیس مول لے لیا ہے۔۔۔ اور شاید۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی، بیگم تمہارے جملے میں شک پایا جاتا ہے۔۔۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اس لیے کہ ابھی تک اس معاملے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" انہوں نے بھی مسکرا کر کہا۔

"کیوں بھئی، کیا معاملہ ہے؟"

فرزانہ نے انہیں بات بتا دی۔ پھر بولی۔

"آپ کا کیا خیال ہے۔۔۔ کیا کرنا چاہیے؟"

"پہلے تو ڈائریکٹری میں نام اور پتا تلاش کرو، پھر دیکھیں گے۔" انہوں نے کہا اور کپڑے تبدیل کرنے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

تینوں ڈائریکٹری پر جھک گئے۔۔۔ عین اسی وقت بیگم شیرازی نے گھنٹی بجائی۔۔۔ بیگم جمشید نے انہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے دروازے کی راہ لی۔۔۔ جلد ہی وہ بیگم شیرازی کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے آتی نظر آئیں۔

"آنٹی، السلام علیکم۔۔۔ آپ تو عید کا چاند ہی ہو گئیں۔"

"اور تم لوگ شاید بقر عید کا۔" بیگم شیرازی بول پڑیں۔ ان کی بات پر ایک قہقہہ لگا۔ انسپکٹر جمشید بوکھلا کر کمرے سے نکل آئے اور بولے۔

"کیا ہوا بھئی، یہ قہقہہ لگانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

"جی.... وہ..... آنٹی آ گئی ہیں نا؟" فاروق نے گڑبڑا کر کہا۔

"آنٹی آ گئیں تو اس میں قہقہہ لگانے کی کیا بات.... السلام علیکم خالہ بہن؟"

"وعلیکم السلام!"

"ابا جان مل گیا؟" فرزانہ چلا اٹھی۔

"ابا جان مل گئے نہیں کہہ سکتیں تم؟" فاروق نے کاٹ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"نام پتا مل گیا ہے عقل مند صاحب!" فرزانہ نے طنزیہ کہا۔

"کیا نام ہے بھئی.... ذرا میں بھی تو سنوں؟"

"اسلام خان ۱۳۹ دھرم روڈ؟"

"۱۳۹ دھرم روڈ.... اسلام خان؟" بیگم شیرازی حیرت زدہ انداز میں بڑبڑائیں۔

وہ ایک ساتھ چونک کر بیگم شیرازی کی طرف مڑے۔ ان کی آنکھوں میں حیرت کے دیے جل رہے تھے۔

"کیوں بہن.... کیا بات ہے، کیا اس پتے اور نام کے بارے میں آپ کو کچھ معلوم ہے؟"

"اسلام خان میرا دور کا ماموں زاد ہے.... وہ ۱۳۹ دھرم روڈ

پر رہتا ہے.... آخر بات کیا ہے؟" بیگم شیرازی نے پریشان ہو کر کہا۔

"اور کیا ان کے عطیہ نام کی کوئی لڑکی بھی ہے؟"

"ہاں! آخر معاملہ کیا ہے؟"

بیگم شیرازی اب پوری طرح پریشان ہو گئیں۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں.... ابھی تک ہم سرسری انداز میں اس معاملے کی چھان بین کر رہے تھے، لیکن اب فوری طور پر یہ جائزہ لیں گے کہ وہاں کیا معاملہ ہے.... ابھی تک ہمیں خود بھی کچھ معلوم نہیں؟" یہ کہہ کر انہوں نے فرزانہ سے جو سنا تھا، انہیں بھی بتا دیا پھر بیگم سے بولے:

"آپ لوگ چائے پئیں، ہم چلے اور ادھر ہو آتے ہیں؟"

"میں بھی کیوں نہ آپ کے ساتھ چلوں؟" بیگم شیرازی بولیں۔

"ٹھیک ہے.... آپ ہمیں اپنے پڑوسی کہہ کر ان سے ملوا دیجیے گا.... پھر یہ تینوں عطیہ کو کسی نہ کسی طرح الگ لے جا کر اس سے بات کر لیں گے؟"

"لو بھئی.... یہاں تو ہو گئی چائے کی دعوت؟" بیگم جمشید

"تو پھر بیگم تم بھی ہمارے ساتھ چلو؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اور یہ جو میں نے اتنا کچھ تیار کیا ہے؟"

"اچھا تو یہیں بیٹھ کر اس اتنے کچھ کی دیکھ بھال کرو، ہم آ کر اس سے انصاف کریں گے؟"

یہ کہہ کر وہ باہر کی طرف چل پڑے۔ تھوڑی دیر بعد جیپ میں بیٹھے دھرم روڈ کا رخ کر رہے تھے.... اور پھر ۱۳۹ کے سامنے جیپ سے اتر کر وہ دروازے کی طرف بڑھے۔ بیگم شیرازی نے گھنٹی کے بٹن پر ہاتھ رکھ دیا۔

حملہ ہوگیا

"یہ کیا.... یہ تو صرف چائے کا ایک کپ ہے"

"ہاں، فوراً یہ چائے پی لو، اس کے بعد تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ چائے کیا چیز ہے"

اسلام خان نے کرسی پر بیٹھ کر کپ اٹھایا اور منہ سے لگا لیا۔ چائے بالکل کل جیسی تھی.... جلدی جلدی اس نے کپ ختم کیا اور ابھی آخری گھونٹ بھرا ہی تھا کہ دماغی چبھن غائب ہو گئی۔ اسے یوں لگا جیسے دماغ میں کوئی تکلیف ہوئی ہی نہیں تھی۔

"کمال ہے، آخر اس چائے میں کیا تھا" اس کے منہ سے نکلا۔

"اس بات کو چھوڑو اور اب فوراً اپنے گھر پہنچو، نیفو تمہیں سات پیالیوں کے برابر چائے دے دے گا، ہر روز ایک پیالی پیتے رہنا، آٹھویں دن یہ تکلیف پھر نمودار ہو گی، سیدھے یہاں چلے آنا، تمہیں سات دن کی چائے پھر مل جائے گی، تم نے میرا مطالبہ پورا کر دیا، میں تم سے بہت خوش ہوں"

"تو کیا اب مجھے ہر ہفتے یہاں آنا پڑے گا؟" اس نے
بوکھلا کر پوچھا۔
"ہاں! ایک بار جو اس چائے کو پی لیتا ہے، وہ اس کا
زندگی بھر کے لیے عادی ہو جاتا ہے۔ تم نے میرے غلاموں کو
دیکھا نا۔ وہ یونہی تو میرے غلام نہیں بن گئے..... انہیں ہر روز
چائے کی پیالی نہ ملے تو ان کا یہی حال ہو جاتا ہے جو تمہارا
ہوا۔ لہٰذا اس حالت سے بچنے کے لیے میرے ہر طرح غلام ہیں،
جو میں کہتا ہوں، کرتے ہیں..... سنو، اپنے گھر جا کر خاموش
زندگی گزارو۔ اگر تم نے پولیس کو اطلاع دی یا کسی اور سے
ذکر کیا تو پھر تمہیں چائے ہرگز نہیں ملے گی اور تم تڑپ تڑپ
کر مر جاؤ گے..... مر بھی ایک آدھ دن میں نہیں جاؤ گے.....
تڑپنے کا عرصہ پندرہ سے بیس دن تک ہوتا ہے۔ ایک بار ایک
سرپھرے نے اپنے کسی پولیس آفیسر دوست کو میرے بارے میں بتا
دیا تھا۔ پولیس نے میرے مکان میں چھاپہ مارا تھا، لیکن وہ یہاں
سے کچھ بھی برآمد نہ کر سکا۔ میرے تمام غلاموں نے یہ بیان دیا کہ
وہ میرے ہاں ملازم ہیں اور تنخواہ پاتے ہیں..... اور میں ان سے
روئی کے لفافوں سے گتہ تیار کرتا ہوں..... یہ جگہ بھی درست
اس مکان کے پیچھے، پلانٹ کے حوض بنے ہوئے تم دیکھ سکتے ہو۔
یہ لوگ آٹھ گھنٹے تک وہاں گتہ بناتے ہیں۔ تو اسے میرا ساتھ

پولیس کیا کر سکتی ہے، اور پولیس سے ہر طرح محفوظ رہنے کا طریقہ
بھی..... مجھے مزدوری سرے سے دینی ہی نہیں پڑتی۔ اس طرح
گتے کے کاروبار میں خوب نفع ہو رہا ہے۔ چند غلام جا کر روئی
کے لفافوں کے ٹرک خرید لاتے ہیں..... دراصل پہلے میرا یہی کاروبار
تھا۔ میرے گتے کی بازار میں مانگ بھی ہے۔ ان حالات میں پولیس
بھلا میرے خلاف کیا ثبوت حاصل کر سکتی ہے....؟"
"لیکن جب یہ لوگ اپنے گھر نہیں جاتے ہوں گے تو ان کے
وارث پولیس کو رپورٹ نہیں کرتے ہوں گے؟"
"میں نے یہاں رکھنے کے لیے ایسے غلام چنے ہیں، جن کا نہ کوئی
آگے ہے، نہ پیچھے۔ پولیس کو یہ بھی بیان دیتے ہیں کہ عرفان والا
صاحب نے ہمیں رہائش کی جگہ بھی دے رکھی ہے۔"
"سوال یہ ہے کہ تمہارا اصل کاروبار تو گتے کا تھا، پھر تم
نے یہ چائے والا گھناؤنا کاروبار کیوں شروع کر دیا؟"
"دولت مند کون بننا نہیں چاہتا..... اچانک میرے ہاتھ ایک
ایسی چیز لگ گئی جس کے دوبارہ نہ پینے پر یہ حال ہو جاتا ہے
جو تمہارا ہوا۔"
"کیا کسی طرح اس چائے کا اثر زائل نہیں ہو سکتا؟"
"نہیں، اب تمہیں اپنی تمام زندگی ایک پیالی روزانہ پینی
پڑے گی....."

"اُف خدا! یہ میں کس مصیبت میں پھنس گیا۔"

"بس اب جاؤ.... کہیں تمہارے بیوی بچے کسی کو فون نہ کر بیٹھیں.... تمہاری حالت میں یہ عجیب و غریب تبدیلی انہوں نے ضرور محسوس کی ہوگی۔"

"کیا کوئی ایسا طریقہ نہیں.... کوئی ایسی شرط نہیں کہ تم اس مصیبت سے مجھے چھٹکارا دلا دو۔ اس کے بدلے میں تم جو کہو، میں دینے کے لیے تیار ہوں۔" اسلام بولا۔

"تم کیا دے سکو گے.... اگر میں ایک ہی بار تمہاری ساری دولت لے لوں تو مجھے کتنا فائدہ ہو جائے گا۔ کیا اس سے یہ بہتر نہیں ہو گا کہ تم بار بار یہاں آؤ اور ہر بار میرے لیے نقد رقم لے کر آؤ.... سونے کی مرغی کو ذبح کرکے ایک ہی بار سارے انڈے حاصل کرنے کی غلطی نہیں کر سکتا.... تم جب تک زندہ رہو گے، میرے لیے کماؤ گے.... تمہاری طرح میرے زمانے کتنے غلام یہاں موجود ہیں۔"

"آخر تم اتنی دولت کا کیا کرو گے، یہ تمہارے کس کام آئے گی۔"

"مجھے صرف دولت ہی حاصل کرنے کا شوق نہیں ہے۔ جس طرح لوگ کبوتروں کو اپنے اشاروں پر اڑا کر خوش ہوتے ہیں، اسی طرح میں اپنے غلاموں کو اپنی انگلیوں پر نچا کر خوش ہوتا ہوں.... یہ میرا شوق ہے۔"

"کتنا بھیانک شوق ہے تمہارا۔"

"ہاں اور مزے کی بات یہ کہ کوئی شخص پولیس میں رپورٹ کر بھی دے اور پولیس یہاں پہنچ بھی جائے تو بھی مجھے گرفتار نہیں کیا جا سکتا.... بھلا کون ہے جو میرے خلاف گواہی دے گا، میرے خلاف گواہی دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اس چائے سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائے گا اور تڑپ تڑپ کر مر جائے گا۔ ظاہر ہے، تڑپ تڑپ کر مرنا کون پسند کرے گا۔"

اسلام خان جب وہاں سے رخصت ہو رہا تھا تو اسے اپنی ٹانگوں سے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی.....

◯

علیمہ نے بوکھلا کر اوپر سر اٹھایا۔ اس نے دیکھا، ریسیور اس کے ہاتھ سے اس کے والد نے چھینا تھا.... اور یہ کہا تھا:

"بیٹی! تم کسی کو بھی فون نہیں کرو گی۔"

"او ابو! آپ آ گئے، آخر آپ کہاں گئے تھے اور اتنے بہت سارے روپے کہاں لے گئے تھے.... وہ آپ کے منتظر تھے۔"

"دیکھو بیٹی! مجھ سے کچھ نہ پوچھو، میری حالت کے بارے میں کسی سے کچھ نہ کہو، ورنہ میں بے موت مر جاؤں گا.... میں تڑپ تڑپ کر مر جاؤں گا.... سسک سسک کر جان دے دوں گا۔"

"یہ..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں" تسنیم بیگم نے گھبرا کر کہا۔
"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں..... میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا.....
اور ہاں..... کیا تم مسرت زیدی کو فون کر رہی تھیں؟"
"جی نہیں، ہم نے انسپکٹر جمشید کے بچوں کو فون کرنے کا پروگرام
بنایا تھا..... تجوری کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے تھے
کہ آپ ضرور کسی الجھن میں پڑ گئے ہیں۔"
"ہاں..... لیکن..... تم انہیں کیا جانو؟"
"ہم انہیں نہیں جانتے، لیکن ایسے معاملات میں دلچسپی لینے کے لیے
وہ فوراً تیار ہو جاتے ہیں" عطیہ بولی۔
"خدا کا شکر ہے، میں عین وقت پر پہنچا..... ہمیں تو ان لوگوں
کے سائے سے بھی دور رہنا ہے....."
"آخر کیوں ابو! آپ ہمیں بتا کیوں نہیں دیتے..... ماجرا کیا
ہے؟"
"مجھ سے کچھ نہ پوچھو، بس اپنا کام کرتے رہو....." اس نے
کہا اور اپنے کمرے میں جانے کے لیے مڑا، پھر رک کر بولا:
"اگر تم نے کسی سے ایک لفظ بھی بولا تو مجھے زندہ نہیں پاؤ
گے..... اگر مجھے مرتے ہوئے دیکھنا پسند کرتے ہو تو بے شک
جسے چاہو فون کر دو۔"
یہ کہتے ہی وہ اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ عطیہ، خالدہ

اور تسنیم بیگم ہکا بکا ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے، عین اس وقت
دروازے کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔
فوراً ہی اسلام خان اپنے کمرے سے نکل آیا۔ اس نے خوف سے کانپتے
ہوئے کہا:
"یہ..... یہ اس وقت کون آ گیا؟"
"ہم نہیں جانتے ابو" عطیہ نے کہا۔
"کیا تم فون پر کچھ کہنے میں کامیاب ہو گئی تھیں؟"
"میں نے صرف اتنا کہا تھا کہ میرا نام عطیہ ہے اور بس۔"
"خیر، اس سے تو وہ لوگ کوئی اندازہ نہیں لگا سکتے، اس کا
مطلب ہے، دروازے پر اس وقت کوئی اور ہے" یہ کہہ کر اس
نے خود کو سنبھالا اور آگے بڑھا۔ انہوں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔
اسلام خان نے دروازہ کھول دیا اور پھر حیران ہو کر بولا:
"ارے خالدہ بہن یہ تم ہو..... تم کہاں بھول پڑیں..... اور.....
اور یہ کون لوگ ہیں تمہارے ساتھ؟"
"میرے ساتھ اس وقت انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے ہیں، شاید
تم نہیں جانتے، یہ میرے پڑوسی ہیں، پڑوسی بھی ایسے کہ ان
کی دیوار آپس میں ملی ہوئی ہے۔"
"نہیں!!!" اسلام خان نے خوف زدہ انداز میں کہا۔
اس کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں، منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"ہاں تو بہن عطیہ .... تم مجھ سے فون پر کیا کہنے والی تھیں اور تمہارے ابّو نے تمہیں کیوں روک دیا ۔" فرزانہ سوچے سمجھے بغیر کہہ گئی ۔

عطیہ کا رنگ اڑ گیا ۔ وہ کانپنے لگی ۔ انسپکٹر جمشید اور ان تینوں نے اس کی بدلتی حالت کو صاف محسوس کیا ، ادھر اسلام خان کا رنگ اڑا ہوا تھا ۔ اچانک اس نے سنبھالا لے کر کہا ؛

"عطیہ سے غلطی ہوئی ، دراصل میں بتائے بغیر گھر سے چلا گیا تھا .... میری واپسی میں دیر ہوئی تو یہ تینوں پریشان ہو گئے ، انہوں نے آپ لوگوں کے کارنامے بہت پڑھ رکھے ہیں ، بس گھبراہٹ میں یہ آپ کو فون کر بیٹھے ، میں اسی وقت میں پہنچ گیا ، اور میں نے عطیہ کو فون کرنے سے روک دیا .... ارے مگر آپ لوگ دروازے میں کیوں ٹھہر گئے .... اندر آئیے ...."

وہ انہیں ڈرائنگ روم میں لے آئے ۔

"لیکن مجھے حیرت ہے ، آپ لوگوں نے یہ کس طرح معلوم کر لیا کہ فون یہاں سے کیا گیا ہے ، جب کہ عطیہ نے ابھی صرف اپنا نام بتایا تھا ۔"

"ہم لوگ ایسے کام چٹکی بجاتے ہی کر لیتے ہیں .... ایکسچینج کو فون کر کے انہوں نے یہ معلوم کر لیا کہ فون کس نمبر سے کیا گیا ہے ۔ اتفاق سے آج گھر میں خالدہ بہن بھی تھیں ، یہ آپ کا نام سن کر چونک اٹھیں .... اور پھر ہم نے اس خیال سے یہاں آنے کا پروگرام

بنایا کہ کہیں آپ لوگ کسی مصیبت میں نہ ہوں ۔"

"جی نہیں ، ایسی کوئی بات نہیں ۔" اسلام خان نے زبردستی مسکرا کر کہا ۔

"خیر ! یہ تو اچھی بات ہے ، ویسے کیا آپ یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کسی پریشانی میں مبتلا نہیں ۔" انہوں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا ۔

"جی ہاں ! بھلا اس میں یقین سے کہنے اور نہ کہنے کی کون سی بات ہے ۔"

"اچھا .... تب پھر ہم چلتے ہیں ۔"

لیکن اسلام خان نے انہیں چائے کے بغیر نہ اٹھنے دیا ۔

چائے پی کر وہ باہر نکلے اور جیپ میں بیٹھ گئے ۔

"فرزانہ تم نے یہ کیا کیا .... پروگرام تو یہ تھا کہ آنٹی یا ہم کسی بہانے عطیہ کو الگ لے جائیں گے اور اسے کریدنے کی کوشش کریں گے ، لیکن تم نے سب کے سامنے مسٹر اسلام خان سے ہی پوچھ لیا ۔"

"کبھی کبھی میں سوچے سمجھے بغیر ہی کچھ کام کر گزرتی ہوں لیکن آج تک مجھے ان پر شرمندہ نہیں ہونا پڑا ۔"

"یہ ٹھیک ہے ، ہم صورت حال جاننا چاہتے تھے جان بچے ... اسلام خان کیا چھپا رہے ہیں ، عطیہ ، خالدہ اور بیگم اسلام خان کے

چہروں پر بھی پریشانی صاف نظر آ رہی ہے، یہ لوگ ضرور کسی بڑی مشکل میں ہیں، لیکن خوف کی وجہ سے بتا نہیں سکے.... خیر میں ابھی بندوبست کرتا ہوں.... محمود تم گھر کے دروازے پر نظر رکھو.... میں کہیں قریب سے ہی فون کر کے آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ ایک میڈیکل سٹور کی طرف چلے گئے۔ اجازت لے کر انہوں نے دفتر کے نمبر ڈائل کیے اور چوکیدار کے ذریعے اکرام کو فون پر بلایا۔

"ہیلو اکرام.... تمہارے لیے ایک خاص نوعیت کا کام ہے.... تم اسی وقت دھرم روڈ پر کوٹھی نمبر ۱۲۹ کے آس پاس پہنچ جاؤ، مناسب فاصلے پر رہ کر اس کی نگرانی کرو، ایک خوبصورت سا نوجوان آدمی اگر گھر سے باہر نکلے تو کمال احتیاط سے اس کا تعاقب کرو اور معلوم کرو وہ کہاں جاتا ہے، اس کے بعد مجھے گھر فون پر اطلاع دو...."

"بہت بہتر جناب! جونہی وہ گھر سے نکلے گا، میں آپ کو یہ اطلاع بھی دے دوں گا کہ میں اس کے تعاقب میں روانہ ہو رہا ہوں.... کہیے تو حوالدار محمد حسین کو بھی ساتھ لیتا جاؤں۔"

"وہ تو اس وقت گھر جا چکا ہے۔"

"جی نہیں.... آج میں نے اسے پرانی فائلوں کی درستگی پر لگایا ہوا ہے۔"

"خیر.... تم اسے بھی ساتھ لے جا سکتے ہو.... یہ اور بھی اچھا رہے گا۔" انہوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

وہ گھر پہنچے تو بیگم جمشید تمام چیزیں میز پر سجائے بیٹھی تھیں، یہ دیکھ کر وہ مسکرائے۔ انسپکٹر جمشید مسکرا کر بولے:

"پہلا افسوس ہے بیگم کہ تمہیں آج پھر زحمت ہوئی، اور دوسرا افسوس یہ ہے کہ ہم تمہاری بنائی ہوئی چیزوں سے پورا پورا انصاف نہیں کر سکیں گے۔"

"کیا مطلب؟" انہوں نے چونک کر کہا۔

"خالدہ بہن کے عزیز نے ہمیں کھانے کے بغیر آنے ہی نہیں دیا، اب تم ہی بتاؤ، ہم کیا کرتے۔"

"تب تو یہ دوسرا افسوس بہت افسوسناک ہے۔" بیگم جمشید نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

ابھی وہ فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ انسپکٹر جمشید نے جلدی سے ریسیور اٹھایا، دوسری طرف سے اکرام کہہ رہا تھا:

"ہیلو سر! ۱۲۹ سے وہ خوبصورت نوجوان نکل کر اپنی کار میں بیٹھ رہا ہے، اب ہم اس کے تعاقب میں روانہ ہونے لگے ہیں۔"

"بہت خوب، میں وائرلیس سیٹ پر جا رہا ہوں، تم مجھے بھی

پل کی خبر دو گے۔"
"جی بہتر!" اکرام نے کہا۔ انسپکٹر جمشید ریسیور رکھ کر ان کی
طرف مڑے۔
"اسلام خان گھر سے نکل کر کہیں جا رہا ہے.... جب کہ اس
کا کہیں جانے کا کوئی ارادہ نظر نہیں آتا تھا، اکرام اور محمد حسین
آزاد اس کا تعاقب کر رہے ہیں.... اب ہم دیکھیں گے کہ اسلام خان کہاں
جاتا ہے اور وہ کس چکر میں الجھ گیا ہے۔"
"خدا خیر کرے.... مجھے اسلام خان کچھ زیادہ ہی خوف زدہ نظر
آ رہا ہے، جب کہ اس کی اور اس کے بیوی بچوں کی زندگی
بہت خوش گوار گزر رہی ہے۔" بیگم شیرازی نے فکر مند ہو کر کہا۔
"بہت جلد معلوم ہو جائے گا، آپ فکر نہ کریں.... اپنی بہن
سے باتیں کریں، ہم ذرا وائرلیس سیٹ کے گرد بیٹھ جائیں گے۔"
وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئے، یہاں وائرلیس سیٹ
لگا دیا گیا تھا۔ انھوں نے جلدی جلدی فریکونسی ملائی اور اکرام کو
مخاطب کیا:
"ہیلو اکرام.... میں یہاں سیٹ پر موجود ہوں.... کیا خبر
ہے؟"
"خبر یہ ہے جناب کہ اس کی کار آندھی اور طوفان کی رفتار سے
شہر سے باہر جانے والی سڑک پر رواں دواں ہے اور میں

مشکل سے اس کا تعاقب کر رہا ہوں، تاہم ابھی تک میں نے اسے
نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔"
"ٹھیک ہے، تعاقب جاری رکھو۔"
تعاقب جاری رہا، اکرام انہیں کامیابی سے تعاقب جاری رہنے
کی اطلاع دیتا رہا، یہاں تک کہ وہ شہر سے باہر پہنچ گئے، پھر
اچانک اکرام کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔
"اوہ سر.... مجھے افسوس ہے.... کسی نے درختوں کے جھنڈ میں
سے فائر کر کے جیپ کا پچھلا ٹائر بے کار کر دیا ہے.... اب میں
تعاقب نہیں کر سکتا۔"
"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا، پھر انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے،
"اکرام! جہاں ہو، وہیں ٹھہرو، میں آ رہا ہوں.... حملہ آور
کو تلاش نہ کرنا، کہیں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔"
یہ کہتے ہی وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

نیا حکم

اسلام خان نے عرفان دارا کے گھر کے سامنے کار روک دی اور بدحواسی کے عالم میں دروازے پر دستک دی .... فوراً ہی فیضو دروازے پر نمودار ہوا .... اس نے اسلام خان کو دیکھ کر حیرت زدہ انداز میں پلکیں جھپکائیں:

"خیر تو ہے .... آپ پھر آ گئے؟"

"ہاں! مجھے عرفان دارا کو ایک خاص بات بتانی ہے .... خطرہ ہمارے اطراف منڈلا رہا ہے۔"

"خطرہ .... کیسا خطرہ؟" فیضو نے کہا۔

"میں عرفان دارا کو ہی بتاؤں گا۔"

"اچھی بات ہے، آؤ اندر۔" اس نے کہا اور اسے لے کر عرفان دارا کے پاس پہنچا۔ عرفان دارا نے اسلام خان کو تیز نظروں سے گھورا اور سانپ کی طرح پھنکارا:

"تم اس وقت کیوں آئے ہو، یہاں چلے آئے بغیر [illegible] انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے میرے گھر پہنچ چکے ہیں ...."

"کیا کہا .... انسپکٹر جمشید .... لیکن وہ تمہارے گھر کس طرح پہنچ گئے؟" عرفان دارا نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"بے ہوشی سے چھٹکارا پانے کے بعد جب میں نوٹوں کا سوٹ کیس بھر کر یہاں آیا تو میری بیوی اور بچی کو شک ہو گیا، انہوں نے تجوری کھول کر دیکھی تو اس میں سے نوٹوں کی گڈیاں غائب تھیں .... اس سے پہلے وہ میری پراسرار بے ہوشی سے پریشان تھے ہی .... ایسے میں میری بیگم نے مشرف زیدی انسپکٹر پولیس کو فون کرنے کا ارادہ کیا، کیونکہ وہ میرا دوست ہے، لیکن میرے بچے انسپکٹر جمشید اور ان کے بچوں سے بہت متاثر ہیں، چنانچہ میری بیٹی نے انسپکٹر جمشید کے گھر فون کر ڈالا، عین اس وقت جب سلسلہ ملا اور عطیہ نے فون پر اپنا نام بتایا، میں وہاں پہنچ گیا، میں نے ریسیور اس کے ہاتھ سے چھین لیا .... لیکن انہوں نے ایکسچینج کے ذریعے میرا نمبر پتا معلوم کر لیا، ابھی ابھی وہ میرے گھر آئے تھے .... ان کا خیال ہے کہ میں کسی بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہوں، لیکن بتا نہیں رہا ہوں۔ ان کے جانے کے بعد میں سیدھا ادھر دوڑا آیا۔"

"اور تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ لوگ تمہارا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچ جائیں گے ....." عرفان دارا نے برہم لہجے میں کہا۔

"اوہ! اس بات کا تو مجھے خیال بھی نہیں آیا۔"

"خیر میں دیکھتا ہوں، صورت حال کیا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے دیوار کے ساتھ لٹکا ہوا بٹن دبایا۔ فوراً ہی فینسو اندر داخل ہوا۔

"کرمو کی طرف سے کوئی رپورٹ موصول ہوئی؟"

"جی ابھی تک نہیں۔" اس نے کہا۔

عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ وہ چونک اٹھے۔ عرفان دارا نے کہا:

"دیکھو..... یہ ضرور کرمو ہو گا۔"

فینسو تیز تیز چلتا باہر نکل گیا اور پھر کرمو کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر بدحواسی کے آثار طاری تھے۔ اس نے آتے ہی کہنا شروع کیا:

"مسٹر اسلام خان کا ایک پولیس جیپ میں دو آفیسروں نے تعاقب کیا تھا۔ میں نے اگر ان کی جیپ کا ٹائر بے کار نہ کر دیا ہوتا تو اس وقت تک وہ یہاں پہنچ چکے ہوتے۔"

"بہت خوب! کیا اس جیپ میں انسپکٹر جمشید خود تھا؟"

"جی نہیں! میں اسے پہچانتا ہوں۔"

"خیر..... یہ اس کے ماتحت ہوں گے اور اب وہ خود ادھر آئے گا۔ فوری طور پر اسلام خان کی کار کو تہہ خانے میں چھپا دو..... اس کے اوپر گھاس وغیرہ ڈال دو۔"

اسلام خان کو بھی تہہ خانے میں پہنچا دو..... اگر انہوں نے انہیں یہاں ڈھونڈ لیا تو ہمارے لیے مشکل ہو جائے گی..... اسلام خان..... تم فکر نہ کرنا، خطرہ ٹلتے ہی تمہیں یہاں سے نکال دیا جائے گا اور تم اپنے گھر جا سکو گے..... لیکن اب تم بھول کر بھی ادھر کا رخ نہیں کرو گے..... رقم تمہیں تمہارے گھر مل جایا کرے گی..... ابھی تم نقدی تیار رکھا کرنا۔"

"اچھی بات ہے۔ میں آپ کی ہر ہدایت پر بلا چون و چرا عمل کروں گا۔"

ابھی آدھ گھنٹہ بھی نہ گزرا تھا کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ عرفان دارا نے کرمو کو اشارہ کیا۔ وہ اٹھا اور دروازے کی طرف گیا۔ دروازہ کھولتے ہی اس کی نظر انسپکٹر جمشید اور اس کے ساتھیوں پر پڑی..... جس جیپ کا اس نے ٹائر بے کار کیا تھا، اس میں تعاقب کرنے والے بھی اب ان کے ساتھ تھے۔ انسپکٹر جمشید کے الفاظ اس کے کانوں سے ٹکرائے:

"مجھے اس گھر کی تلاشی لینا ہے..... یہاں کون رہتا ہے؟"

چند منٹ بعد وہ عرفان دارا کے سامنے تھے..... اور عرفان حیرت ظاہر کرتے ہوئے انہیں بتا رہا تھا کہ وہ یہاں کیا کاروبار کرتا ہے۔ اس کے خاموش ہونے پر انسپکٹر جمشید بولے:

"میں یہاں کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔"

"کسی قانون کے تحت.... کیا آپ کے پاس تلاشی کے وارنٹ ہیں؟"

"اس اجازت نامے کی رو سے.... میں ملک کے کسی بھی حصے میں کسی بھی جگہ کی تلاشی بغیر وارنٹ کے لے سکتا ہوں۔" انہوں نے صدر مملکت کا عطا کیا ہوا خصوصی اجازت نامہ نکال کر دکھایا، عرفان نے اس اجازت نامے کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھا پھر کندھے اچکاتے ہوئے بولا:

"بہتر! آپ تلاشی لے سکتے ہیں، لیکن میں حیران ہوں کہ آپ یہاں کس چیز کی تلاشی میں آئے ہیں؟"

"یہ بتانا ضروری نہیں۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

پورے مکان اور مکان کے پیچھے گیٹ بنائے والے پلاٹ کی اچھی طرح تلاشی لینے پر بھی انہیں اسلام خان اور اس کی کار نظر نہ آئی۔

"دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں.... یا تو اسلام خان یہاں سے کہیں آگے چلا گیا ہے.... یا پھر اسے اس عمارت میں کسی خفیہ جگہ [illegible] گیا ہے۔ خیر.... اتنی بڑی عمارت میں خفیہ جگہ تلاش کرنا [illegible] ممکن نہیں.... آؤ واپس چلیں۔"

وہ جب تھک ہار کر واپس عرفان دارا کے کمرے میں پہنچے تو وہ وہاں میز پر چائے کے برتن سجائے ان کا انتظار کر [illegible]

"میں جانتا ہوں، آپ کو کوئی غیر قانونی چیز یہاں نہیں مل سکتی.... آپ لوگ اس بے کار کی تلاش کے بعد تھک گئے ہوں گے، آپ کی تھکن کے پیش نظر میں نے آپ کے لیے خاص اہتمام سے چائے تیار کرائی ہے، آپ اسے پی کر یقیناً خوش ہوں گے۔"

"مجھے بہت افسوس ہے.... آج ہم پہلے ہی دو مرتبہ چائے پی چکے ہیں.... اب گنجائش نہیں.... تاہم آپ کی دل شکنی کے خیال سے اس چائے کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے تیار ہیں، ہم اسے سوتے وقت پی لیں گے.... آپ یہ تھرموس میں ڈال دیں، تھرموس میری کار میں موجود ہے.... اس طرح ہم آپ کی خاص اہتمام والی چائے سے محروم بھی نہیں رہیں گے۔"

"بہت خوب، ابھی لیجیے۔" عرفان دارا نے خوش ہو کر کہا۔

واپسی پر محمود نے کہا:

"ابا جان، یہ چائے والا معاملہ سمجھ میں نہیں آیا۔"

"اس میں نہ سمجھ آنے والی کونسی بات ہے.... ابا جان کا بہت پرانا اصول ہے، کسی کی دل شکنی نہیں کرتے، اس لیے چائے تھرموس میں [illegible] تو چائے [illegible] ابا جان بھی کسی [illegible] نہیں بتائیں [illegible]"

"کیوں ابا جان، کیا یہی بات ہے؟" محمود نے کہا۔

"تمہارے خیال ٹھیک اور [illegible] ہو سکتی ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اس کے خیال کی تو نہ ہی پوچھیے ابا جان ..... نہ جانے
کہاں کی اڑا لائے اپنے خیال میں" فاروق نے طنزیہ لہجے میں
کہا۔

"چلو .... تم اپنا خیال بتا دو" محمود نے جھلا کر کہا۔

"پہلے ہی بتا چکا ہوں"

"فرزانہ تمہارا کیا خیال ہے" محمود اس کی طرف مڑا۔

"آخر تم ڈر کیوں رہے ہو .... جو تمہارے ذہن میں ہے
کیوں نہیں دیتے" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے ....." محمود نے کہنا شروع کیا۔

"اب یہ خدا ہی جانے کہ کہاں تک ان کا خیال ہے"
فاروق نے اس کا جملہ کاٹ دیا۔

"فاروق .... تم باز نہیں آؤ گے" انسپکٹر جمشید نے بمشکل ہنسی
روکتے ہوئے کہا۔

"لیجیے آ گیا باز .... باز آنے میں کیا خرچ آتا ہے"

"خرچ تو تمہاری زبان کو کاٹ دینے میں بھی کچھ نہیں آ
بس ذرا قینچی چلانا پڑے گی" فرزانہ نے جل بھن کر کہا۔

"بالکل غلط .... مرہم پٹی کا خرچ تو ہو گا ہی" فاروق بھلا
کب چپ رہنے والا تھا۔

"بس ثابت ہو گیا اب گھر پہنچنے تک ہم محمود کا خیال نہیں

ل ہکلیں گے" انسپکٹر جمشید نے گویا فیصلہ سنایا۔

"ابا جان! آپ مجھے اتنا بے وقوف سمجھتے ہیں" فاروق نے
اداس ہو کر کہا۔

"یہ مصنوعی اداسی تمہارے چہرے پر کچھ بھی نہیں" فرزانہ مسکرائی۔

"اب میں سچ مچ کی اداسی کہاں سے لاؤں ..... اس سے
تو میری آج تک ملاقات ہی نہیں ہوئی .... نہ میں اسے پہچانتا
ہوں، نہ وہ مجھے جانتی ہے" فاروق نے معصومانہ لہجے میں کہا۔

"وحشت تیرے کی" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"فاروق! اب خاموش رہو، ورنہ مار بیٹھوں گا"

"جی بہت بہتر! آپ نے پہلے ہی کیوں نہ بتا دیا کہ آپ
مار بیٹھیں گے۔ میں اب سے بہت پہلے خاموش ہو جاتا اور ایسا
خاموش ہوتا کہ ہائے نہ بولتا .... لاکھ جتن کرتے، تب بھی خاموش
ہی رہتا .... پھر آپ لوگوں کو میری خاموشی سے خوف آنے لگتا
اور آپ اسلام خان سے بھی زیادہ خوف زدہ نظر آتے ......
پھر میں ....."

"یہ تم خاموش ہوئے ہو" انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں
کہا .... اور فاروق کو جیسے سانپ سونگھ گیا .... اب انسپکٹر جمشید
نے محمود سے کہا:

"ہاں بھئی اب بتاؤ .... اب یہ نہیں بولے گا"

"میرا خیال ہے..... کہ چائے زہریلی ہے.... اور آپ اسی
کا تجزیہ کرانے کے خیال سے تھرموس میں بھروا لائے ہیں۔"
"تمہارا خیال ٹھیک ہے.... اور ہم سیدھے سول ہسپتال کی
لیبارٹری جا رہے ہیں....."
لیبارٹری انچارج نے ان کا استقبال گرم جوشی سے کیا
چائے کا تھرموس اس کے حوالے کرتے ہوئے انہوں نے اس کے
تجزیے کے بارے میں خاص ہدایات دیں اور پھر گھر روانہ ہوگئے
پہنچے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی، دوسری طرف سے لیبارٹری انچارج
کہہ رہا تھا!
"چائے میں زہر ثابت نہیں ہو سکا.... البتہ اس میں کسی چیز
کی آمیزش ضرور ہے۔"
"تب پھر اسے کسی بلی پر آزما کر دیکھا جائے۔"
"جی بہتر!"
بھاگ دوڑ نے انہیں کچھ تھکا دیا تھا، اس لیے کھانا
کھانے کے بعد وہ جلد ہی نیند کی آغوش میں چلے گئے۔
اور پھر دھم کی آواز نے فرزانہ کو جاگنے پر مجبور کر دیا۔

"بیرونی دروازہ اندر سے بند کر دو اور اسلام خان کو تہہ خانے
سے نکال لاؤ..... گرمو..... تم انسپکٹر جمشید کا کافی فاصلے سے
تعاقب کرو، اسے شک نہ ہونے پائے۔ تمہیں صرف یہ دیکھنا ہے
کہ وہ کہاں جاتا ہے۔"
"او کے سر" گرمو نے کہا اور فیفو کے ساتھ باہر نکل گیا۔
جلد ہی فیفو اسلام خان کو لے کر اس کے پاس پہنچ گیا.....
"انسپکٹر جمشید یہاں کی تلاشی لے کر جا چکا ہے..... وہ نہ
تمہاری کار تلاش کر سکا اور نہ تمہیں.... تھوڑی دیر بعد ہمیں
یہ خبر مل جائے گی کہ وہ گھر پہنچ گیا ہے یا کہاں گیا ہے، اس
وقت تمہارے لیے لائن صاف ہو گی.... تم یہاں سے اپنی کار
لے کر جا سکو گے..... لیکن تمہارے لیے بہتر یہ ہو گا کہ تم
یہاں سے واپس گھر نہ جاؤ، پہلے دوسرے شہر اپنے کسی کاروباری
دوست کے پاس چلے جاؤ.... کیونکہ تمہاری واپسی پر انسپکٹر جمشید
تم سے یہ سوال ضرور کرے گا کہ تم کہاں گئے تھے...... اس
وقت اگر تم نے جھوٹ بولا تو نئی الجھنیں پیدا ہو جائیں گی، اس
لیے اسے بالکل درست جواب دینا چاہیے.... اور وہ تم اسی وقت
دے سکو گے جب واقعی کسی دوست کے پاس رات گزار
آؤ گے۔"
"اچھی بات ہے.... میں یہاں سے سیدھا ذاکر آباد چلا

جاتا ہوں ۔۔۔۔"

"لیکن ابھی نہیں .... پہلے میرے آدمی کی طرف سے اطلاع مل جائے .... اب تم دوسرے کمرے میں جا کر انتظار کرو۔" یہ کہہ کر اس نے فیقو کو اشارہ کیا۔ وہ اسے دوسرے کمرے میں بٹھا کر واپس آیا۔

"فیقو .... انسپکٹر جمشید بہت خطرناک آدمی ہے .... اس کا بندوبست کرنا ہی ہو گا۔"

"جو آپ حکم دیں .... کیا جائے گا۔"

"میری پہلی ہدایت تو یہ ہے کہ فی الحال کوئی نیا شکار نہ پھانسا جائے .... اور آج رات ہی انسپکٹر جمشید کا کانٹا نکال دیا، لیکن اس کے پہلے تین ایسے آدمی بھیجے جائیں جنہیں وہ آج تلاشی کے دوران دیکھ نہیں سکا، یعنی جو اسلام خان کے ساتھ تہ خانے میں تھے۔"

"بہت بہتر!"

"اور ہاں .... ایک بات اور ...."

یہ کہہ کر عرفان دارا نے آواز دھیمی کر لی۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ عرفان دارا نے ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو باس .... انسپکٹر جمشید کو سول ہسپتال میں جاتے دیکھا گیا ہے۔"

"اوہ .... وہ واقعی بہت چالاک ہے .... وہ ضرور اس چائے کا معائنہ کرائے گا، خیر .... اب اس کا بندوبست کرنا اور بھی ضروری ہو گیا ہے .... تم واپس آ جاؤ۔"

"جی بہتر!"

"فیقو .... ان تینوں کو بلا لاؤ، میں خاص ہدایات انہیں دے دوں .... اب انسپکٹر جمشید کو کسی صورت بھی زندہ نہیں رہنا چاہیے، حیرت ہے، اسے چائے پر کس طرح شک ہو گیا۔"

"میں انہیں ابھی لاتا ہوں۔" فیقو نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

مزے دار نقطہ

فرزانہ نے آنکھیں کھولنے کے بعد کمرے میں دائیں بائیں دیکھا.... بائیں باغ کی کھڑکی کھلی تھی، لیکن کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا۔

"تو کیا دھم کی آواز میں نے خواب میں سنی تھی.... لیکن نہیں، میں تو اس وقت خواب دیکھ ہی نہیں رہی تھی.... اس کا مطلب ہے میں نے واقعی دھم کی آواز سنی تھی۔"

"محمود.... محمود.... میں نے دھم کی آواز سنی ہے۔"

"ہیں.... کیا ہے؟" محمود نے نیند کے عالم میں کہا۔

"میں نے دھم کی آواز سنی ہے۔"

"اچھا!" اس نے کہا اور پھر گہری نیند میں ڈوب گیا۔

"لاحول ولاقوۃ۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا اور اس مرتبہ ذرا زور سے محمود کو جھنجھوڑا، بلکہ اس کے بازو میں ایک چٹکی بھی لی۔ محمود تلملا اٹھا:

"اوہو.... کیا مصیبت ہے.... کیا دن نکل آیا ہے؟"

"نہیں، میں نے دھم کی آواز سنی ہے، کوئی گڑبڑ لگتی ہے۔" فرزانہ نے سرگوشی کی۔ محمود ہڑبڑا کر اٹھا۔ اس نے بوکھلا کر کہا:

"کیا کہا تم نے.... دھم کی آواز سنی ہے؟"

"ہاں!" فرزانہ بولی۔

"تو پھر جگاؤ فاروق کو بھی....!" اس نے کہا۔

فرزانہ نے فاروق کو جھنجھوڑنا شروع کیا، وہ شاید گھوڑے بیچ کر سویا تھا۔ کئی سیکنڈ بعد اس کے کان پر جوں رینگی۔

"فاروق جلدی اٹھو.... ہم نے دھم کی آواز سنی ہے۔"

"کیا کہا.... دھم کی آواز سنی ہے....!" اس نے حیرت بھری آواز میں کہا۔

"ہاں.... کوئی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔"

"اچھی بات ہے.... ضرور سنو دھم کی آواز، میں تمہیں منع نہیں کرتا، بلکہ رات میں پندرہ بیس مرتبہ ضرور سن لیا کرو، صحت پر اچھا اثر پڑے گا۔" یہ کہہ کر اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔

"پھر کیا مصیبت ہے.... سمجھنے کی کوشش کرو، ہم سب خطرے میں ہیں۔" اس بار محمود نے اسے بری طرح جھنجھوڑ ڈالا، وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔

"ارے تو پہلے کیوں نہیں بتایا تھا کہ ہم خطرے میں ہیں....!" اور وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

"ارے تو پہلے کیوں نہیں بتایا تھا کہ ہم خطرے میں ہیں .... مجھے بتاؤ ..... کہاں ہے خطرہ .... ابھی کی تبھی خطرے کی۔" فاروق نے تن کر کہا۔

"تم ہوش میں تو ہو۔"

"کیوں .... مجھے کیا ہوا، کیا میں تمہیں بے ہوش نظر آتا ہوں؟"

"ہمارے مکان میں دھم کی آواز کا مطلب یہ ہے کہ صحن میں کوئی شخص چھت پر سے کودا ہے .... آؤ جلدی کرو۔"

تینوں افراتفری کے عالم میں کمرے سے نکل کر صحن میں آ گئے۔ یہاں مکمل طور پر خاموشی تھی .... زیرو کے بلب کی مدھم روشنی میں انہیں کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ اب وہ انسپکٹر جمشید کے کمرے کی طرف بڑھے .... دروازہ کھلا تھا .... اندر زیرو کا بلب جل رہا تھا اور تین نقاب پوش انسپکٹر جمشید کی طرف دبے پاؤں بڑھ رہے تھے۔ انسپکٹر جمشید اور بیگم جمشید بے سدھ پڑے سو رہے تھے۔ تینوں نقاب پوشوں کے ہاتھوں میں چمکتے ہوئے خنجر تھے۔ یہ روح فرسا منظر دیکھ کر ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے سوچا، اگر وہ ایک آدھ منٹ اور یہاں نہ آ جاتے تو جانے کیا ہو گیا ہوتا۔ ابھی انہوں نے کمرے کے اندر قدم رکھا ہی تھا اور تینوں حملہ آوروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی تیاری کی ہی تھی کہ ایک عجیب بات ہوئی۔

بستر پر لیٹے ہوئے انسپکٹر جمشید بجلی کی سی سرعت سے اٹھ کر بیٹھ گئے اور پھر وہ اس طرح اچھلے جیسے ان کے نیچے سپرنگ لگے ہوں گے۔ بستر کے اوپر انہوں نے ایک پلٹی کھائی اور بستر کے سرہانے کی طرف فرش پر آ رہے .... اب وہ سیدھے کھڑے تھے۔ ان کے چہرے پر ایک طنزیہ مسکراہٹ رینگ رہی تھی۔ پھر انہوں نے کمر کی طرف ہاتھ لے جا کر کمرے کا بڑا بلب روشن کر دیا اور بولے:

"روشنی میں ذرا تم لوگوں کا کام آسان رہے گا۔"

تینوں حملہ آوروں کی نظریں ان پر جمی تھیں۔ اب وہ ایک ایک قدم آگے بڑھ رہے تھے۔ ان میں سے دو بستر کے دائیں طرف تھے اور ایک طرف بائیں طرف۔

"ویسے ...... میرا خیال ہے .... تمہیں [illegible] نے بھیجا ہے .... اس نے بہت بڑی غلطی کی ہے ...... پہلے اگر مجھے اس پر شک تھا، تو اب یقین ہو گیا ہے کہ [illegible] مصیبت [illegible] دی ہے۔"

تینوں کے منہ سے ایک [illegible] [illegible] اور [illegible] آگے بڑھے [illegible]

[illegible]

[illegible]

یہ کہتے وقت ان کی نظر دروازے پر پڑ گئی...... وہ چونک اٹھے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کو انہوں نے ابھی دیکھا تھا..... ورنہ اس سے پہلے تو ان کی نظریں حملہ آوروں پر جمی تھیں۔

"بہت خوب..... تو تم بھی آ گئے ہو......"

ان کا جملہ سن کر تینوں حملہ آوروں نے بوکھلا کر پیچھے دیکھا، ساتھ ہی ان کے سروں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ عین اسی وقت محمود، فاروق اور فرزانہ کے ہاتھ حرکت میں آ گئے تھے..... تینوں اپنے گھر سے نکلتے وقت ہاکی اور کرکٹ کے بلے اٹھا لائے تھے۔ ایسے موقعوں پر وہ یہی کیا کرتے تھے۔

حملہ آور تیورا کر گرے اور بے ہوش ہو گئے۔ ساتھ ہی بیگم جمشید اچھل کر کھڑی ہو گئیں۔

"بہت خوب! یہ بھی ٹھیک رہا، میں ہاتھ پیر ہلانے سے بچ گیا..... کھڑکی اندر سے بند کر آؤ..... اور چھت پر جا کر یہ جائزہ لے آؤ کہ یہ اوپر کس طرح پہنچے تھے..... کیونکہ اگر یہ کھڑکی کے ذریعے آئے ہوتے تو دھم کی آواز پیدا نہیں ہو سکتی تھی"

"بہت بہتر ابا جان!"

جلد ہی تینوں واپس آ گئے۔ اس وقت تک انسپکٹر جمشید تینوں حملہ آوروں کے خنجروں پر قبضہ کر چکے تھے۔

"یہ لوگ رسی کی بنائی ہوئی سیڑھی کے ذریعے چھت پر

اور وہاں سے لٹک کر نیچے کود گئے ہوں گے۔" محمود نے بتایا۔

"اب انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔ محمود..... تم رسی کی سیڑھی کے ذریعے مکان سے باہر جا کر یہ جائزہ لو کہ یہ لوگ کسی کار وغیرہ پر تو نہیں آئے تھے....."

"جی بہتر!" محمود نے کہا اور چلا گیا۔ انسپکٹر جمشید کی نظر اس وقت فرزانہ پر پڑی..... اس کی پیشانی پر بل پڑے ہوئے تھے۔

"کیا بات ہے فرزانہ؟" انہوں نے پوچھا۔

"ابا جان! ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی..... میں نے دھم کی آواز سننے کے بعد پہلے محمود کو جگایا، پھر فاروق کو، انہیں جگانے میں کم از کم آدھ منٹ تو ضرور لگا تھا۔ سوال یہ ہے کہ آدھ منٹ تک یہ لوگ آپ تک کیوں نہیں پہنچ سکے..... صحن میں کھڑے کیا کرتے رہے، جب کہ آپ کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ میں نے دھم کی آواز بھی صرف ایک بار سنی..... جب کہ کودنے والے تین تھے..... اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلی دو آوازیں مجھے جگا نہیں سکی تھیں اور میں تیسری آواز پر جاگی تھی۔" فرزانہ کہتی چلی گئی۔

"شاباش..... قابل تعریف..... فرزانہ تم میں ایک اچھے جاسوس کی تمام صلاحیتیں موجود ہیں....." انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا اور یہ سن کر فاروق کا منہ بن گیا۔

"تم کیوں بلے جا رہے ہو....؟" فرزانہ نے مسکرا کر کہا "ابا جان نے یہ تو نہیں کہا کہ تم میں جاسوس بننے کی صلاحیتیں نہیں ہیں۔"

"ہاں بالکل.... فاروق.... تم بھی فرزانہ سے کم باصلاحیت نہیں ہو.... یہ تو ذہن میں ایک بات آنے کا مسئلہ ہے، کبھی کسی کے ذہن میں کوئی بات آ گئی، کبھی کسی کے۔"

"آپ شاید میرے آنسو پونچھ رہے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہائیں.... تم رو رہے ہو فاروق.... بری بات ہے۔" فرزانہ نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

اسی وقت حملہ آوروں میں سے ایک نے حرکت کی اور پھر آنکھیں کھول دیں۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم ہوش میں آ گئے.... ہم تو انتظار کرتے کرتے تنگ آ گئے تھے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں بھئی.... اب تم جلدی جلدی بتاؤ کہ تمہیں کس نے بھیجا ہے؟"

"ہم مرتے مر جائیں گے، اس کا نام نہیں بتائیں گے۔"

"تم جو مطلب چاہے نکالتے رہو، ہم اس کا نام ہرگز نہیں بتائیں"

"تو تمہیں عرفان والا نے بھیجا ہے؟"

"تمہارے تو فرشتے بھی بتائیں گے.... ابھی تمہیں میرے طریقوں کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں.... ارے.... یہ محمود اب تک نہیں آیا.... فاروق.... ذرا باہر کی خبر تو لاؤ۔"

"تو محمود کی بھی خبر کیوں نہ لے آؤں۔" فاروق نے شریر لہجے میں کہا۔

"تم جاتے ہو یا.... دوں ایک ہاتھ۔"

"جی شکریہ! مجھے آجکل ہاتھوں کی ضرورت نہیں۔" یہ کہتے ہوئے فاروق کمرے سے نکل گیا، چند منٹ بعد واپس آیا تو چہرہ لٹکا ہوا تھا۔

"کیوں کیا ہوا؟"

"محمود کا دور دور تک پتا نہیں۔"

"اس کی یہ عادت نہیں جاتی۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"خیر دیکھا جائے گا.... پہلے میں ان تینوں کا بندوبست کر دوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے فون کا ریسیور اٹھایا اور کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگے۔ آدھ گھنٹے کے بعد تینوں حملہ آوروں کو وہاں سے لے جایا جا چکا تھا۔ اس سے پہلے وہ ان کے نقاب الٹ کر ان کے چہرے دیکھ چکے تھے۔

"ابا جان! وہ بات رہ گئی۔" فرزانہ نے یاد دلایا۔

"ہاں تمہارا خیال بہت زور دار ہے فرزانہ، اسی پر ابھی بھی غور کر رہا ہوں، اور تم دعا بھی کرو۔"

"اور محمود کا کیا کریں...."

"اس کا کچھ کرنے کی ضرورت رہ گیا ہے.... آ جائے گا خود ہی"

اب ہم اسے کہاں ڈھونڈتے پھریں۔" وہ بولے۔

"کیا آپ کے خیال میں یہ آدمی عرفان دارا کے ہی تھے"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا، کل اس کے آدمیوں میں یہ تینوں
آئے تھے نہیں تھے..... محمود کے غائب ہونے کا مطلب یہ ہے
کوئی چوتھا بھی ان کے ساتھ تھا اور وہ باہر کار میں تھا.....
ضرور کوئی اہم خبر لے کر لوٹے گا، دوسرے میں یہ سوچتا ہوں
آخر عرفان دارا کو کیا ضرورت تھی کہ ان حملہ آوروں کو بھیجتا..... ادھر
خان بھی کچھ نہیں بتا رہا ہے..... اوہ..... اسلام خان..... اس کے
ہاں تو ہم نے معلوم کیا ہی نہیں..... کہ وہ واپس آ چکا ہے یا نہیں"
کہتے وہ چونک اٹھے۔ انھوں نے ایک بار پھر ریسیور اٹھایا اور اس
خان کے نمبر ڈائل کیے..... اور کافی دیر تک گھنٹی بجتی رہی پھر
اسلام خان کی نیند میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

"ہیلو..... کون ہے..... رات کے دو بجے..... کیا کام آ پڑا ہے"

"بیگم اسلام خان! میں انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں..... کیا آپ
شوہر ابھی تک واپس نہیں آئے؟"

"جی نہیں! انھوں نے فکرمند لہجے میں کہا۔

"بس یہی معلوم کرنا ہے، مہربانی فرما کر میرے نمبر نوٹ کر
وہ واپس آئیں تو مجھے فون کر دیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

انھوں نے نمبر لکھوائے اور ریسیور رکھ دیا

○

محمود ٹنکی کی سیڑھی کے ذریعے نیچے اترا اور پھر چکر کاٹ
گلی میں آیا..... اسے گلی میں کوئی کار نظر نہیں آئی تو سڑک کا رخ
گلی کے موڑ پر سرخ رنگ کی ایک کار کھڑی نظر آئی۔ یہ دیکھ کر
ٹھٹک گیا کہ کار میں ڈرائیور کی جگہ کوئی بیٹھا تھا۔ دیوار کے ساتھ
کر اور اندھیرے کا سہارا لے کر وہ ایک ایک قدم آگے بڑھنے
موڑ پر پہنچ کر تو اسے بالکل نیچے جھک جانا پڑا ورنہ اسے دیکھ
چند لمحے تک وہ سوچتا رہا کہ کیا کرے..... کار ضرور ان تینوں
انتظار میں کھڑی تھی ورنہ یہاں رات کے دو بجے کسی کار کا
کام۔ آخر اس نے ایک فیصلہ کیا۔ پوری احتیاط سے کام لے کر
بڑھا اور کار کے عین پیچھے پہنچ گیا۔ دوسرے ہی لمحے اس
جیب میں رینگ گیا۔ جیب سے ایک مڑا تڑا تار نکال کر
تالے کے سوراخ پر جھک گیا۔ چند منٹ کی کوشش کے بعد
نے ایک ہلکی سی آواز سنی اور سمجھ گیا کہ تالا کھل گیا ہے۔ اب
نے آہستہ آہستہ ڈگی کو کھولا اور پھر اس کے اندر رینگ گیا۔
ہی اس نے اپنی جیب سے فولاد کا ایک ڈنڈ نما نکالا

اور تمانے کے سوراخ کے عین نیچے رکھ دیا ، اب اگر کوئی ڈگی بند کر
جاتا تو بند نہیں کر سکتا تھا ، دم گھٹ کر مرنے کا خطرہ نہیں
وہ سوچنے لگا ..... آخر یہ شخص کب تک ان تینوں حملہ آوروں
انتظار کرے گا ، مایوس ہونے پر کیا خود بھی اندر جائے گا یا یہاں
بھاگ کھڑا ہوگا ..... اگر اس نے بھی حملہ کرنے کی کوشش کی تو اسے
کیا کرنا چاہیے .....

ابھی وہ اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ کار کا انجن جاگ اٹھا ،
کا دل زور سے دھڑکا ..... تینوں حملہ آور واپس نہیں آسکے تھے ا
ڈرائیور واپس جا رہا تھا ، اب اگر یہ عرفان دارا کی عمارت میں جاتا
تو وہ مجرم ثابت ہو جاتا ہے .....

کار چل پڑی ..... محمود کا دل بھی دھڑکنے کے ساتھ ساتھ
اچھلنے لگا ..... کیونکہ اس طرح مہم کا سہرا اس کے سر بندھتا .....
ابھی تک وہ یہ اندازہ نہیں لگا سکے تھے کہ عرفان دارا مجرم ہے
نہیں ..... کار چلتی رہی ، اسے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ کس سمت
جا رہی ہے ، آخر بیس منٹ کے سفر کے بعد کار کی رفتار کم ہوئی
ہوئی اور پھر وہ رک ہی گئی ..... اس نے کار کا دروازہ کھلنے
آواز سنی ، ڈرائیور نے نیچے اتر کر دروازہ بند کیا اور پھر اس کے
قدموں کی آواز گونجنے لگی وہ دبے پاؤں نہیں چل رہا تھا ، محمود
نے پنسل ٹارچ اٹھایا اور باہر نکل آیا ۔ اس نے دیکھا ، وہ ایک

کوٹھی کی روش پر کھڑا تھا ..... اور یہ عمارت عرفان دارا کی ہرگز نہیں
تھی ..... بلکہ یہ تو شہر کا کوئی حصہ تھا ، عرفان دارا تو شہر سے باہر
رہتا تھا ، اس نے دیکھا ڈرائیور روش سے گزر کر برآمدے میں جا
پہنچا تھا اور دروازے پر لگا گھنٹی کا بٹن دبا رہا تھا ..... وہ روش
پر بیٹھ گیا اور پیٹ کے بل رینگ کر آگے بڑھنے لگا ، اسی وقت
اس نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی ..... وہ اور تیزی سے رینگنے لگا ۔
پھر اس نے باہر کھڑے آدمی کی آواز سنی .....

"یہ لیں آپ کی کار کی چابیاں ....."

"کیوں ..... کیا کام ہو گیا ؟"

"باس کی مجھے یہ ہدایت ہے کہ میں کسی بھی شخص کو اس کے کسی
پروگرام کے متعلق ایک لفظ بھی نہ بتاؤں ..... آپ سے صرف کار لینی
تھی ..... وہ لے لی ، اور اب واپس کر دی ہے ..... باس کو کیا کام
تھا ، وہ ہوا یا نہیں ، یہ جاننے کی آپ کو ضرورت بھی نہیں ۔"

"ہوں ، تم ٹھیک کہتے ہو ۔" اندر والے نے کہا ۔

ساتھ ہی ڈرائیور مڑا اور تیز تیز چلتا محمود کے پاس سے
نکلتا چلا گیا ، محمود اس وقت باغیچے کی باڑھ کے ساتھ لگا ہوا تھا ۔
اسی وقت اس نے کوٹھی کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنی ..... اب
وہ واپس مڑا اور کار کے پاس سے ہوتا ہوا چھوٹے پھاٹک تک آیا ، اس
نے جیب سے پنسل ٹارچ نکال کر نمبر پلیٹ پڑھی ، لکھا تھا ۔

طفیل شامی۔

اسے یہ نام پڑھ کر بہت حیرت ہوئی۔ طفیل شامی شہر کا ایک مشہور آدمی تھا۔ وہ ایک سیاسی لیڈر تو تھا ہی، شہر میں اس کے کئی کارخانے بھی تھے۔ محمود کی سمجھ میں یہ بات نہ آ سکی کہ کسی جرائم پیشہ آدمی کو اسے اپنی کار ایسے کاموں کے لیے دینے کی کیا ضرورت تھی۔

حیرت زدہ انداز میں وہ واپس پلٹا..... اس نے سڑک کے ادھر ادھر دیکھا اور سمجھ گیا کہ شہر کے کس حصے میں ہے..... یہ علاقہ سنبل آباد کے نام سے مشہور تھا اور شہر کے دولت مند ترین لوگ اسی میں رہتے تھے۔ رات کے وقت کوئی رکشہ یا ٹیکسی اتفاق سے ہی مل سکتی تھی، لہٰذا اس نے پیدل مارچ کا پروگرام بنایا، کیونکہ ڈرائیور ابھی غائب ہو چکا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھانے لگا، اس کی خوش قسمتی کہ ایک رکشہ آتا نظر آ گیا۔ ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا اور پھر آدھ گھنٹے کے بعد وہ ایک بار پھر رسی کی سیڑھی کے ذریعے اوپر چڑھ رہا تھا..... زینے کے ذریعے نیچے اتر کر آگے بڑھا تو اس نے دیکھا، سب لوگ جاگ رہے تھے۔

"شاہ میاں تیس مار خاں..... کیا تیر مار آئے؟" فاروق نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"عجیب و غریب تیر مار آیا ہوں۔" محمود مسکرایا۔

"اور اب تیر بھی عجیب اور غریب ہونے لگے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"یہ خود ہی بتانے لگا ہو گا۔" فرزانہ نے بھی منہ بنایا۔

"بھئی اسے کچھ کہنے بھی دو گے یا نہیں۔" انسپکٹر جمشید تنگ آ کر بولے۔

"ابا جان! ہم نے اس کی زبان تھوڑا ہی پکڑ رکھی ہے۔"

"ہاں محمود..... جلدی بتاؤ۔"

محمود نے اپنی کارگزاری کا حال کہہ سنایا۔

"طفیل شامی....." انسپکٹر جمشید بڑبڑائے..... "یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے طفیل شامی بھی عرفان دارا کی انگلیوں پر ناچ رہا ہو۔"

"کیا آپ کو یقین ہو چکا ہے کہ مجرم عرفان دارا ہے؟"

"نہیں..... خیال ضرور ہے کہ اس کے علاوہ..... یہ محل اور بھیجنے کی کسے ضرورت تھی..... آخر ہم نے اسی کی عمارت کی تلاشی لی تھی ناں..... کسی اور کی تو نہیں۔"

"لیکن ابا جان..... یہ حرکت اسلم خان کی بھی تو ہو سکتی ہے، ہم نے اس معاملے میں اسے بھی تو دخل دیا ہے اور وہ ہمیں کچھ بتانے کے لیے تیار بھی نہیں۔" فرزانہ نے نیا خیال پیش کیا۔

"اور ہاں! اس پہلو سے تو میں نے غور کیا ہی نہیں۔ خیر..... اب ہم صبح ہی اس سلسلے میں کچھ کر سکیں گے..... کیونکہ ابھی تک تو اسلم خان بھی گھر واپس نہیں لوٹا۔"

"عجیب بات ہے..... یہ کیسا مجرم ہے..... جو دوسروں کی کاروں

کے ذریعے کام لیتا ہے۔"

"بہت چالاک مجرم ہے.... خود کو صاف بچا لے جانا چاہتا ہے.... اپنے خلاف کوئی ثبوت نہیں چھوڑنا چاہتا.... شاید اتنے چالاک مجرم سے آج تک بہت کم واسطہ پڑا ہوگا، میرا خیال ہے، اس کے خلاف ثبوت حاصل کرنا.... اور اسے گرفتار کرنا ناکوں چنے چبانے کے برابر ہوگا۔"

"تب تو ابا جان، ہم ناکوں چنے ہی چبا لیں گے۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"گویا تم چاہتے ہو، مجرم آزاد پھرتا رہے، دندناتا رہے۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"جب کہ اس کے تین غنڈوں نے ابا جان کی جان لینے کی ناپاک کوشش کی ہے۔" فرزانہ نے بھی دانت پیسے۔

"ارے ہاں! وہ تینوں کہاں ہیں؟"

"انہیں بڑے گھر بھیج دیا گیا ہے.... اس چھوٹے گھر میں کچھ بھی بتانے کے لیے تیار نہیں تھے۔" فاروق نے بتایا۔

"بھئی محمود.... فرزانہ نے ایک مزے دار نقطہ اٹھایا ہے.... بہتر ہوگا کہ تم بھی سن لو اور تینوں سونے سے پہلے اس پر غور شروع کر دو، ہو سکتا ہے، شاید تم میں سے کسی کا ذہن کام کر جائے۔"

"ابا جان! آپ نے کیا کہا.... مزے دار نقطہ۔" محمود نے حیران ہو

کر کہا۔

"ہاں! ٹافیوں جتنا مزے دار تو ہے ہی اور اس پر [illegible] کرتے ہوئے تم ٹافیوں کا مزا محسوس کرو گے۔" فاروق بول اٹھا۔

"نقطہ ہے کیا؟" محمود نے پرجوش لہجے میں پوچھا۔

"فرزانہ نے دھم کی ایک آواز سنی تھی.... جب کہ تین آدمی کودے تھے، اس کا مطلب ہے.... پہلی دو آوازیں تو یہ سن ہی نہیں سکی، یعنی جب تیسرا آدمی بھی کود گیا تو اس کی آنکھ کھلی.... تم دونوں کو اٹھانے میں بھی اسے کچھ وقت لگا.... اور جب تم میرے کمرے تک پہنچے تو تینوں حملہ آور ابھی مجھ تک نہیں پہنچ سکے تھے۔ نقطہ یہ ہے کہ آخر انہوں نے صحن سے مجھ تک پہنچنے میں اتنا وقت کیوں لگایا جب کہ وہ تم تینوں کے پہنچنے سے تقریباً تین سیکنڈ پہلے ہی مجھ پر حملہ آور ہو جانے چاہئیں تھے۔" انسپکٹر جمشید یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئے۔

"نقطہ واقعی مزے دار ہے اور ہم اس پر ضرور غور کریں گے!"

مکمل اور نامکمل

صبح وہ ناشتے کی میز پر موجود تھے۔ بیگم جمشید چائے کے برتن میز پر لگا رہی تھیں .... انسپکٹر جمشید اخبار پر نظر ڈالتے ہوئے بولے:

"ہاں بھئی .... اس نقطے پر غور کیا؟"

"جی ہاں! میں نے بہت غور کیا، لیکن کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔" فاروق نے کہا۔

"تم سے اور امید بھی کیا کی جا سکتی ہے۔" فرزانہ نے چوٹ کی۔

"تم تو اس طرح کہہ رہی ہو جیسے خود کسی نتیجے پر پہنچ گئی ہو۔" فاروق نے تلملا کر کہا۔

"ہاں! میں نے کم از کم ایک اندازہ ضرور لگایا ہے۔"

"جلدی بتاؤ فرزانہ .... تم نے کیا اندازہ لگایا ہے۔" انسپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے۔

"یہ کہ حملہ آوروں نے کودنے کے بعد آپ کی طرف بڑھنے سے پہلے کچھ اور کام بھی کیا تھا .... وہ کام کیا تھا یہ میں کہہ نہیں سکتی۔"

"ہوں! .... محمود تمہارا کیا خیال ہے۔"

"فرزانہ والا ہی خیال میرا بھی ہے۔" محمود نے کہا۔

"لیکن یہ تو کوئی بات نہ ہوئی .... یہ تو کوئی نتیجہ نہیں ہوا۔" فاروق بولا۔

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے، یہ نامکمل نتیجہ ہے .... جو تم دونوں نے نکالا۔" انسپکٹر جمشید نے فاروق کی تائید کی۔

"لیکن ابا جان! فاروق تو یہ نامکمل نتیجہ بھی نہ نکال سکا۔" فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

"اب مجھے کیا معلوم تھا کہ نامکمل نتیجہ نکالنے کی بھی اجازت ہے، میں دراصل مکمل کے چکر میں پڑا رہا۔" فاروق نے معصوم صورت بنا کر کہا اور وہ ہنس پڑے، لیکن ان کی ہنسی میں بیگم جمشید کی ہنسی شامل نہیں تھی جب کہ وہ ان کے قریب ہی موجود تھیں۔

"سنو بھئی .... ایک نتیجہ میں نے بھی نکالا ہے ....." انسپکٹر جمشید نے گویا اعلان کیا۔

"ارے! تب تو آپ نے بالکل مکمل نتیجہ نکالا ہو گا۔"

"ہاں شاید .... لیکن اس سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا کہ تمہاری امی کی ہنسی کو کیا ہوا .... اسے بریک لگ گئی ہے یا وہ جھنجھلا کر بجھ گئی ہے۔"

تینوں نے چونک کر اپنی امی کی طرف دیکھا اور یہ دیکھ کر

حیران رہ گئے کہ ان کی پیشانی پر بل پڑے ہوئے تھے، آنکھیں فکر مند
انداز میں سکڑ گئی تھیں۔
"ارے امی جان آپ کو کیا ہوا؟"
"نہ جانے کیا بات ہے.... میں خود کو بہت پریشان محسوس کر
رہی ہوں۔" وہ بولی۔
"گویا آپ کو معلوم ہی نہیں کہ آپ کیوں پریشان ہیں۔" محمود نے
حیران ہو کر کہا۔
"ہاں! میں نہیں جانتی.... میں کیوں پریشان ہوں.... بس مجھے
ایک عجیب سا احساس ہو رہا ہے۔"
"بہت خوب بیگم.... اب تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میں
مکمل نتیجے پر پہنچا ہوں۔" انسپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے۔
"جی.... کیا مطلب.... بھلا امی جان کی عجیب و غریب اور پراسرار
پریشانی کا آپ کے نتیجے سے کیا تعلق؟" فرزانہ کے لہجے میں بلا کی
حیرت تھی۔
"بس تعلق ہے.... جب تمہیں یہ معلوم ہو گا کہ نتیجہ کیا ہے تو
تم بھی مان جاؤ گی کہ اس کا تمہاری امی کی پریشانی سے کتنا گہرا
تعلق ہے.... لیکن نہیں.... پہلے میں ایک فون کروں گا۔"
یہ کہہ کر انہوں نے دفتر کے نمبر ڈائل کیے.... آج چھٹی
کا دن تھا.... تاہم چوکیدار کے ذریعے اکرام کو تو بلوایا جا

سکتا تھا۔ اس کے آنے پر انہوں نے کہا:
"اکرام تم چند آدمیوں کو ساتھ لے کر فوراً یہاں آ جاؤ......
تمہارے ساتھ ایک اچھا فوٹو گرافر بھی ہونا چاہیے۔"
"جی بہت بہتر!" اس نے کہا۔ انسپکٹر جمشید ریسیور رکھ کر ان کی
طرف مڑے۔
"کیا ارادہ ہے ابا جان!" محمود نے چائے کے کپ کی طرف ہاتھ
بڑھا کر کہا۔ اس دوران بیگم جمشید چائے بنا چکی تھیں۔
"ارادہ تو میں بعد میں بتاؤں گا.... تم مہربانی فرما کر اس چائے کو
ہاتھ نہ لگاؤ۔" انہوں نے عجیب سے انداز میں کہا۔
"جی کیا مطلب؟" وہ چونکے۔
"یہ وہ مکمل نتیجہ ہے.... جو میں نے نکالا ہے.... کہ انہوں
نے میرے کمرے میں گھسنے سے پہلے ضرور باورچی خانے کی راہ لی
تھی اور ہماری چائے کے ڈبے میں اپنی چائے منتقل کی تھی....
یہ وہی چائے ہے.... جو عرفان دارا انہیں اپنے گھر میں پلانا چاہتا
تھا اور جو بعد میں درست چائے ثابت نہیں ہوئی.... اس کے
تجزیے کی مکمل رپورٹ بھی ابھی موصول ہونے ہی والی ہے....
اور اس چائے سے تمہاری امی بھی پریشانی محسوس کر رہی تھیں۔ اس چائے
کی خیر خواہی تو نے انہیں پریشان کر دیا.... لیکن.... یہ بھی نہ جان سکیں
کہ وہ کیوں پریشان ہیں۔"

"اوہ.... اس کا مطلب ہے.... عرفان دارا ہی اصل مجرم ہے"

"ہاں اب میں سو فیصد یقین سے کہہ سکتا ہوں.... دوسرے

اس نے اپنے خلاف ثبوت خود ہی مہیا کر دیا ہے.... وہ بھی کسی کمی

ہم ابھی پوری کر دیں گے.... بیگم اس چائے کو ایک محفوظ ڈبے میں

لا.... اور نیا پیکٹ کھول کر چائے تیار کر لاؤ.... ابھی

اکرام اور اس کے ساتھی بھی آتے ہوں گے.... ان کے لیے

بھی چائے بنا لو.... ہمیں ذرا جلدی روانہ ہونا ہے.... وہ ڈبا

بھی محفوظوں کے ساتھ اکرام کے حوالے کرنا ہے۔"

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ محمود نے دروازہ کھولا

تو سول ہسپتال کے دو آدمی کھڑے تھے۔ وہ چائے کے تجزیے

کی رپورٹ لائے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے دوسرا محفوظ ڈبا ان کے

حوالے کیا، ایک کاغذ پر ہدایات لکھ کر انہیں دیں اور رپورٹ کھول

کر پڑھنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے سر اوپر اٹھایا:

"رپورٹ کے مطابق چائے میں کوئی عجیب و غریب دوا ملی

ہے.... ایک بلی پر تجربہ کیا گیا تھا، وہ چائے پی کر بے ہوش

ہو گئی اور ابھی تک کوشش کے باوجود ہوش میں نہیں آئی۔"

"اوہ!" وہ دھک سے رہ گئے.... ابھی ابھی وہ اس چائے

کو پینے سے بال بال بچے تھے۔

وہ چائے پی رہے تھے کہ دروازے کی گھنٹی بجی

ام کا تھا۔ انہیں بھی چائے پیش کی گئی۔ پھر یہ لوگ وہاں سے

نہ ہوئے۔ اسی وقت انسپکٹر جمشید نے انہیں بتایا کہ طفیل شامی

ہاں جانا ہے۔

"لیکن ابا جان، طفیل شامی کے ہاں جا کر ہم کیا کریں گے۔" فرزانہ

حیران ہو کر کہا۔

"عرفان دارا کے خلاف ایک بہت مضبوط ثبوت کی ضرورت ہے

ہے جسے اس کا وکیل کسی طرح بھی جھٹلا نہ سکے.... اس کے لیے ہمیں

یل شامی کے گھر بھی جانا ہوگا۔" انہوں نے کہا۔

طفیل شامی کی کوٹھی کے دروازے پر پہنچ کر گھنٹی کا بٹن دبایا

.... محمود نے اندر نظر ڈالتے ہی کہہ دیا:

"ابا جان! سرخ کار بالکل اسی جگہ کھڑی ہے جہاں رات میں

کر گیا تھا۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے، میں اسی لیے صبح سویرے یہاں

ہوں۔"

اسی وقت دروازہ کھلا.... دروازہ کھولنے والا ایک ادھیڑ

ملازم تھا۔ اس نے حیرت بھری نظروں سے اتنے بہت سے

کو دیکھا اور پھر بولا:

"کیا بات ہے جناب!"

"ہمیں طفیل شامی صاحب سے ملنا ہے.... ان سے کہیے...."

محکمہ سراغرسانی کے کچھ لوگ ملنے آئے ہیں۔"

"اوہ.... اچھا!" اس نے حیرت زدہ لہجے میں کہا اور پھاٹک کھولتے ہوئے بولا:

"اندر آجائیے....!"

ملازم کا ارادہ انہیں ڈرائنگ روم میں لے جانے کا تھا لیکن انسپکٹر جمشید سرخ کار کے پاس رکتے ہوئے بولے:

"ہم یہیں ٹھہریں گے.... کیا یہ کار شامی صاحب کی ہے"

"جی ہاں! میں انہیں اطلاع کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر ملازم اندر چلا گیا۔ انسپکٹر جمشید نے اکرام کے ساتھ آئے ہوئے فوٹوگرافر کو اشارہ کیا۔ اس نے نہایت چابکدستی سے کار پر گریفائٹ پاؤڈر چھڑکا اور تمام جگہوں سے انگلیوں کے نشانات اٹھانے لگا.... عین اسی وقت اندرونی دروازہ کھلا اور ایک لمبے قد کا صحت مند آدمی حیرت زدہ انداز میں ان کی طرف بڑھا

"یہ.... یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"اس کار پر سے نشانات اٹھائے جا رہے ہیں.... انگلیوں کے نشانات کیونکہ اس کار پر سوار ہو کر کچھ حملہ آوروں نے مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی.... ان میں سے تین کو گرفتار کر لیا ہے اور چوتھا جو ڈرائیور تھا، کار لے کر بھاگ نکلا۔ چونکہ بہت انگلیوں کے نشانات اٹھا لیے گئے ہیں۔ اب ہم ان تینوں

کی انگلیوں کے نشانات لے لیں گے اور یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ حملہ آوروں نے آپ کی کار استعمال کی تھی.... آپ اس سلسلے میں کیا جواب دیتے ہیں.... یہ آپ جانیں.... عدالت آپ سے یہ سوال ضرور کرے گی کہ حملہ آوروں کے پاس آپ کی کار کہاں سے آئی۔ اگر آپ یہ کہیں گے کہ کار کو چرایا گیا تھا تو پھر آپ نے رپورٹ کیوں نہ درج کرائی.... دوسرے یہ کہ میرے لڑکے نے کار کی ڈگی میں بیٹھ کر یہاں تک سفر کیا ہے.... اس نے آپ کی اور ڈرائیور کی گفتگو بھی سنی ہے.... جس سے صاف ظاہر ہے کہ کار آپ نے اپنی مرضی سے ان کے حوالے کی تھی۔ آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں: مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔" وہ رکے بغیر کہتے چلے گئے۔

طفیل شامی کا رنگ ایک لمحے کے لیے اڑ گیا۔ پھر اس نے سنبھالا لے کر کہا۔

"میں رات کے وقت کار کی چوری کی رپورٹ درج نہیں کرا سکا ....بس یہی بیان ہے میرا۔"

"خیر.... آپ کی مرضی.... ویسے میں جانتا ہوں.... عرفان والا نے آپ کو کسی طرح اپنے دباؤ میں لیا ہوا ہے اور اس کے آدمی آپ کی کار تک پہنچی۔ ہر چیز کو بغیر روک ٹوک کے استعمال کر سکتے ہیں۔"

"یہ.... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں" طفیل شامی نے بوکھلا کر کہا۔

"تو کیا میں غلط کہہ رہا ہوں.... عرفان دارا سے آپ کا کوئی تعلق نہیں"

"نہیں! میں نہیں جانتا عرفان دار کون ہے، میری کار چوری کی گئی ہو گی۔ اس نے معذرت طلب ہی کہا۔

"خیر یونہی سہی.... عرفان دارا اب کسی صورت بھی میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکتا، وہ مجھے نہیں جانتا اور نہ میرے طریقہ کار کو جانتا ہے" یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید مڑے اور اپنے ساتھیوں کو مڑنے کا اشارہ کیا۔

"کیا آپ بیٹھیں گے نہیں" طفیل شامی جلدی سے بولا۔

"نہیں! اس لیے کہ آپ تعاون کرنے کے لیے تیار نہیں، میں جانتا ہوں، آپ عرفان دارا کے زیر اثر ہیں، نہ جانے وہ کیا کمزوریاں ہیں جن کی وجہ سے آپ اس سے خوف زدہ ہیں، لیکن ایسے خوفزدہ آدمی تنہا آپ ہی نہیں، کچھ اور لوگ بھی ہیں، میں اب عرفان دارا کے پیچھے لگ گیا ہوں، یہ جان کر رہوں گا کہ وہ کیا کر رہا ہے، کتنے لوگ اس کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں.... وہ ان سے کیا کیا کام لے رہا ہے.... چوبیس گھنٹے کے اندر اندر میں یہ سب باتیں معلوم کر کے اسے قانون کے حوالے کر کے رہوں گا"

یہ کہتے ہوئے وہ تیز تیز قدم اٹھاتے جیپ تک پہنچ گئے۔ دوسروں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ ان کی جیپ پھاٹک سے باہر بھی نکل گئی، مگر طفیل شامی ابھی تک بت کی مانند اسی جگہ کھڑا تھا۔

○

"آپ نے تو اس بیچارے کو ڈرا ہی دیا" فاروق نے سڑک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم جانتے ہیں کہ وہ عرفان دارا کے کام آ رہا ہے، محمود اس کے الفاظ سن چکا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ کچھ بتانے پر تیار نہیں ہے، ان حالات میں میں یہی کر سکتا تھا کہ اسے ڈرا دوں، تاکہ وہ مجھے جلد یا بدیر کچھ بتانے پر تیار ہو جائے، ویسے وہ بے وقوف نہیں ہے، جانتا ہے کہ ہم عدالت میں اس کے خلاف کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔"

"اب کیا پروگرام ہے"

"ہم سب کے سب اسلام خان کے ہاں چل رہے ہیں، دیکھیں تو سہی، وہ واپس آیا ہے یا نہیں.... اور ہاں مجھے اس سڑک پر پائے جانے والے انگلیوں کے ایک ایک نشان کی تصویر چاہیے۔"

"آپ فکر نہ کریں، ہم نے کار کے ہر حصے پر پائے جانے والے
انگلیوں کے نشانات اٹھائے ہیں" فوٹو گرافر نے کہا۔
"ان نشانات میں کچھ تو ان چاروں کے ہوں گے، جنہوں نے
رات کار استعمال کی ہے.... کچھ نشانات خود طفیل شامی کے ہوں
گے، ویسے محمود تم سے ایک زبردست غلطی ہوئی ہے۔"
"خدا کا شکر ہے کہ محمود سے بھی کوئی زبردست غلطی ہوئی،
ورنہ شاید میں تو یہ حسرت لیے مرجاتا کہ کبھی محمود سے بھی کوئی
زبردست غلطی ہو" فاروق نے چہک کر کہا۔
"تم تو خاموش ہی رہو" انسپکٹر جمشید جھلا کر بولے۔
"کیسی غلطی ابا جان!" محمود نے بوکھلا کر پوچھا۔
"تمہیں طفیل شامی کی نمبر پلیٹ وغیرہ کے چکر میں پڑنے کی بجائے
فوراً اس ڈرائیور کا تعاقب کرنا چاہیے تھا۔"
"اوہ ہاں! واقعی" محمود کے منہ سے نکلا۔
"خیر کوئی بات نہیں، مجھے حیرت تو اس بات کی ہے کہ ہم ابھی
تک یہ اندازہ نہیں لگا سکے کہ عرفان دارا کیا چکر چلا رہا ہے۔"
"یہ معلوم ہونے پر تو ابا جان، یہ کیس ہی ختم ہو جائے
گا" فرزانہ نے کہا۔
"ہوں! یہ بات بھی ٹھیک ہے، ابھی ہم ان تینوں ملازموں
کو بھی کھنگالیں گے..... ذرا دیکھیں تو سہی، وہ کب تک اپنی زبان

بند رکھتے ہیں۔"
"ویسے کافی چکرا دینے والا کیس ہے، مجرم ہمارے سامنے
ہے، لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ وہ کیا جرم کر رہا ہے، اس
کے ارادے کیا ہیں" محمود بولا۔
"ابا جان! آپ نے نوٹ کیا، فاروق کوئی بات نہیں کر رہا۔"
فرزانہ بول پڑی۔
"ہاں! میں نوٹ کر چکا ہوں.... میں نے اسے خاموش رہنے
کے لیے کہہ دیا تھا نا.... بھئی فاروق تمہاری خاموشی بھی ہمیں کاٹنے
لگی ہے، اس لیے تمہاری زبان بندی ختم" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔
"شکریہ ابا جان.... ویسے میں نے تو یہ تہیہ کر لیا تھا کہ اگر آپ
نے اجازت نہ دی تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی زبان کو تالا لگا
لوں گا۔"
"لیکن میرا تو خیال ہے کہ ابھی تک کوئی ایسا تالا بنا ہی نہیں
جو تمہاری زبان کے آگے ٹھہر سکے" فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔
"تو پھر تم کوئی تالوں کا کارخانہ کیوں نہیں کھول لیتیں" فاروق
نے جھلا کر کہا۔
"میں لڑکی ہوں، یہ کاروبار تو محمود کو یا تمہیں زیب دیتا ہے۔"
"ارے فرزانہ! میں لوہار نہیں ہوں۔"
"معاف کرنا، تالوں کا کاروبار کرنے والے لوہار نہیں ہوتے۔"

فاروق بولا۔

"تو پھر تم کر لو یہ کاروبار۔"

"اچھا بھئی بس.... ہم اسلام خان کی کوٹھی کے سامنے پہنچ گئے ہیں اور میں پھاٹک کے اندر گرد میں اٹی کار کو دیکھ رہا ہوں جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام خان آچکا ہے مسٹر رازی.... آپ کو اس کار سے بھی نہایت احتیاط سے نشانات اٹھانے ہیں۔" انسپکٹر جمشید فوٹوگرافر سے بولے۔

"او کے سر۔"

جیپ سے اتر کر وہ پھاٹک کے اندر داخل ہو گئے، کیونکہ پھاٹک اندر سے بند نہیں تھا۔

"آپ اپنا کام شروع کریں.... اکرام تمہیں بھی کار کا جائزہ لینا ہے۔"

"جی بہتر!"

انھوں نے آگے بڑھ کر دروازے پر لگی گھنٹی کا بٹن د... جلد ہی عطیہ کا چہرہ نظر آیا۔ ان پر نظر پڑتے ہی وہ چونک...

"ارے آپ لوگ!"

"ہاں بیٹی.... تمہارے ابو شاید ابھی ابھی واپس آئے ہیں۔"

"جی.... جی ہاں۔"

"اچھا تو انھیں ہماری آمد کی اطلاع دو.... ان سے کہیے با...

ہی آجائیں۔"

"جی بہت اچھا۔" اس نے کہا اور اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد اسلام خان تھکے تھکے انداز میں آتا نظر آیا۔

"آپ لوگ پھر آگئے۔ اب مجھ سے کیا کام ہے؟"

"آپ رات بھر کہاں غائب رہے ہیں؟"

"کیا مجھ پر کوئی پابندی ہے؟" اس نے جھلا کر کہا۔

"نہیں! رات مجھ پر تین حملہ آوروں نے قاتلانہ حملہ کیا ہے.... اس لیے میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ رات بھر کہاں رہے..... کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس حملے میں آپ کا ہاتھ ہے۔ آپ مجھے کچھ بتانا نہیں چاہتے تھے اور میں آپ سے کچھ نہ کچھ معلوم کر لینے کے چکر میں تھا۔ لہٰذا آپ نے ان تین حملہ آوروں کو بھیج دیا۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟"

"نہیں نہیں.... یہ بالکل غلط ہے۔ میں نے کسی حملہ آور کو آپ پر حملہ کرنے کے لیے نہیں بھیجا۔" اس نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"تب آپ کو یہ بتانا ہوگا کہ آپ رات بھر کہاں رہے....؟"

"میں اپنے ایک کاروباری دوست کے ہاں گیا تھا۔۔۔ دوسرے شہر میں، میں آپ کو اس کا فون نمبر بھی دے سکتا ہوں.... مگر یہ میری کار کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے؟"

فکر نہ کریں .... اپنے دوست کا فون نمبر بتائیں"

"دوست کا نام اعجاز چوہدری ہے .... اس کا فون نمبر ۹۹۶۵۴ ہے"

"بہت خوب! اب فون تک میری رہنمائی کریں، میں تصدیق کرنا چاہتا ہوں"

"آئیے" اس نے کہا اور انہیں لے کر اندر آیا۔

انہوں نے فون پہ اعجاز چوہدری کے نمبر ڈائل کیے۔ تھوڑی دیر بعد سلسلہ مل گیا۔ انہوں نے اپنا تعارف کرانے کے بعد کہا،

"چوہدری صاحب .... کیا اسلام خان رات آپ کے پاس رہے ہیں"

"جی ہاں!" ادھر سے کہا گیا۔

"وہ آپ کے پاس کس وقت پہنچے تھے"

"جی .... رات کے دس بجے"

"اور آپ کا گھر شہری حدود سے کتنے فاصلے پر ہے"

"دارالحکومت سے آنے والا شہر میں داخل ہونے کے فوراً بعد میرے گھر پہنچ جاتا ہے، آپ یہ عجیب وغریب قسم کے سوالات کیوں پوچھ رہے ہیں"

"ایک کیس کی تفتیش کے سلسلے میں، آپ فکر نہ کریں، ان سوالات کے جوابات دے کر آپ قانون کی مدد کر رہے ہیں .... وہ صبح وہ یہاں

سے کس وقت روانہ ہوئے تھے"

"صبح سات بجے"

"بہت بہت شکریہ!" یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا اور عطیہ کی طرف مڑے جو اپنے والد کے ساتھ ہی کھڑی تھی۔

"بیٹی! تمہارے ابو صبح یہاں کتنے بجے پہنچے ہیں"

"جی نو بجے" اس نے ایک دم کہا۔

"گویا انہوں نے راستہ دو گھنٹے میں طے کر لیا، جب کہ کل شام یہ سات بجے گھر سے نکلے تھے اور اپنے دوست کے گھر پہنچے رات کو دس بجے، یعنی تین گھنٹے میں، مسٹر اسلام خان .... کیا آپ بتا سکتے ہیں، یہ زائد ایک گھنٹا آپ نے کہاں گزارا"

"کہیں بھی نہیں، میں رات کم رفتار پہ گیا تھا۔" اسلام خان نے سر اٹھا کر کہا۔

"صاف ظاہر ہے کہ آپ قانون کی مدد نہیں کر رہے، خیر! میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آپ ایک گھنٹا عرفان دارا کی عمارت پر رکا ہے"

"نہیں!" اسلام خان چلا اٹھا۔ اس کا چہرہ خوف سے زرد پڑ گیا، بدن تھر تھر کانپنے لگا .... انہوں نے حیران ہو کر اسلام خان کو دیکھا .... کسی کو اس قدر خوف زدہ انہوں نے شاید ہی کبھی دیکھا ہوگا۔

"اور اب آئیے .... ذرا باہر چلیں"

وہ کار کے پاس آئے۔ رازی اس وقت تک اپنا کام مکمل کر چکا

تھا۔ انھوں نے اکرام سے پوچھا۔

"کوئی کام کی چیز ملی؟"

"جی نہیں!"

انسپکٹر جمشید چند قدم آگے بڑھے اور کار کے ایک ایک انچ کو بغور دیکھنے لگے، اچانک وہ جھکے اور انھوں نے پچھلی سیٹ کے نیچے سے چٹکی میں پکڑ کر کوئی چیز اٹھالی۔ اس چیز کو دیکھتے ہی ان پر جوش کی حالت طاری ہو گئی .... وہ چلّا اٹھے:

"ثبوت مکمل ہو گیا.... اکرام.... عرفان دارا کی عمارت پر چھاپہ مارنے کی تیاری کرو، ہم وہاں سے اس گھاس کی کافی مقدار تو برآمد کر ہی لیں گے۔"

انھوں نے دیکھا، ان کی چٹکی میں گھاس کا ایک ٹکڑا تھا۔

عجیب چالاک مجرم

آدھ گھنٹے کے اندر چھاپے کی تیاریاں مکمل کر لی گئیں۔ اس دوران اسلام خان کو زیر نگرانی رکھا گیا، اس خیال سے کہ کہیں عرفان دارا کو فون نہ کر دے۔ روانگی کے وقت اکرام کے ایک ماتحت کو اس کے پاس چھوڑ دیا گیا۔ اسے سختی سے یہ ہدایت کر دی گئی کہ وہ کسی کو بھی فون نہ کرنے پائے۔ آخر وہ روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ پولیس کی بھاری تعداد تھی۔

"یہ کیس بھی ہماری زندگی کا واحد کیس ہے .... ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ مجرم کون ہے، لیکن یہ معلوم نہیں کہ اس کا جرم کیا ہے.... ابا جان.... آخر آپ اسے گرفتار کر کے اس پر الزام کیا لگائیں گے" محمود نے کہا۔

"تین آدمیوں کے ذریعے اس نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کرایا ہے، یہ کوئی معمولی جرم تو نہیں ہے...."

"لیکن آپ یہ بات کس طرح ثابت کریں گے" فاروق بولا۔

"اس نے ہمیں جو چائے پلانا چاہی تھی، وہ زہریلی تھی، وہ
چائے آج ہمارے چائے کے ڈبے میں پائی گئی..... ہم ان تینوں
حملہ آوروں سے بچنے کے بعد اس چائے کا شکار ہوتے ہوتے
بچے.... فی الحال عرفان دارا کو گرفتار کرنے کے لیے یہی جرم کافی
ہے، دوسرا یہ کہ اسلام خان کی کار میں سے گتے کا ٹکڑا ملا
ہے، اس کار کو ظاہر ہے کہ عرفان دارا نے ہی اپنے آدمیوں کے
ذریعے چھپایا تھا، اس وقت اسلام خان بھی وہیں کہیں چھپا تھا،
گویا اسلام خان کا تعلق عرفان دارا سے ضرور ہے، ہم یہی معلوم
کرنے وہاں تک پہنچے تھے کہ اسلام خان خوف زدہ کیوں ہے، شاید
یہیں عرفان دارا نے اسے چھپا دیا، اس کی کار کو بھی چھپا دیا،
اس نے محسوس کیا کہ اب میں اس کے پیچھے پڑ جاؤں گا، لہٰذا کہیں
نہ مجھے ختم ہی کرا دے..... اس طرح اس نے تین حملہ آور وہاں
بھیجا، اس غرض کے لیے انھوں نے طفیل شامی کی کار استعمال کی، طفیل
شامی کا بھی کوئی نہ کوئی تعلق عرفان دارا سے ہے..... یہ لوگ اس
وقت زبان کھولیں گے، جب عرفان دارا گرفتار ہو جائے گا۔"

"ان سب باتوں کے باوجود میں بے اطمینانی محسوس کر رہی ہوں،
مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے ابھی تک ہم اصل بات کی تہہ تک
نہیں پہنچ سکے۔" فرزانہ نے پریشان لہجے میں کہا۔

"وہ تو خیر ہے ہی..... ابھی ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ عرفان

کیا جرم کر رہا ہے..... اس کا اسلام خان، طفیل شامی اور ان
جیسے دوسرے لوگوں پر کیا دباؤ ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"گویا..... ہم ایک نامکمل مہم انجام دینے جا رہے ہیں۔"
فاروق بولا۔

"ہاں! تم یہ کہہ سکتے ہو، لیکن عرفان دارا کی گرفتاری کے بعد
ہم اسے مکمل کر لیں گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

اور پھر عرفان دارا کی پوری عمارت کو پولیس نے اپنے
گھیرے میں لے لیا...... اکرام ان کے انچارج کے فرائض انجام
دے رہا تھا۔ جب محاصرے کا کام مکمل ہو گیا تو انسپکٹر جمشید
نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی، کئی سیکنڈ گزرنے
پر بھی کوئی دروازہ کھولنے نہ آیا تو انہوں نے دیر تک گھنٹی کے
بٹن پر انگلی رکھے رکھی، لیکن کوئی نہ آیا۔

"اکرام! چند ہوائی فائر کراؤ اور اس کے بعد لاؤڈ سپیکر پر
اعلان کر دو کہ یہ سب لوگ خود کو پولیس کے حوالے کر دیں، ورنہ
انہیں گولیوں کا نشانہ بننا پڑے گا۔" انہوں نے اکرام کو ہدایت
دی۔

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور چلا گیا۔ فوراً ہی پانچ چھ ہوائی فائر
ہوئے اور پھر لاؤڈ سپیکر پر اعلان کیا جانے لگا۔ اس اعلان کے
جواب میں بھی خاموشی ہی رہی۔ آخر انسپکٹر جمشید بولے:

"شاید اندر کوئی نہیں ہے ... اکرام دروازہ تڑوا دو۔"

چند منٹ کی کوشش کے بعد دروازہ توڑ دیا گیا۔ وہ اندر داخل ہوئے۔ عمارت بھائیں بھائیں کر رہی تھی۔ اندر کوئی بھی نہیں تھا۔ تمام کمرے خالی تھے۔ البتہ گھٹے کے گودام جوں کے توں بھرے پڑے تھے۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا ابا جان۔" فرزانہ کے لہجے میں حد درجے مایوسی تھی۔

"کیوں.... بھلا کیوں نہیں.... فرار ہو کر عرفان دارا نے خود ہی یہ بات ثابت کر دی کہ وہ مجرم ہے..... اکرام اب ہمیں یہاں ایک اور ضروری کام کرنا ہے اور پوری احتیاط سے کرنا ہے۔"

"جی.... وہ کیا؟" اکرام نے حیران ہو کر کہا، کیونکہ اس کے خیال میں اب یہاں کرنے کے لیے کوئی کام نہیں رہ گیا تھا۔

"اس پوری عمارت کی میز کرسیوں اور دروازوں پر سے انگلیوں کے نشانات لینے ہیں، خاص طور پر عرفان دارا کے کمرے سے نشانات اٹھاتے وقت تو پوری احتیاط کرنی ہے۔"

"جی بہتر! میں ابھی اس کا انتظام کرتا ہوں۔"

انگلیوں کے نشانات اٹھانے والا عملہ وہ ساتھ نہیں لائے تھے، اس کے لیے فون کیا گیا۔ آخر عملہ آیا اور انہوں نے پاؤڈر چھڑک کر اپنا کام شروع کرنا چاہا تو یہ بات سامنے

آئی کہ تمام عمارت سے انگلیوں کے نشانات مٹا دیے گئے ہیں۔

"اوہ!" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔ "وہ بہت چالاک ہے۔"

"اب آپ کیا کریں گے؟"

"ایک لمبی چوڑی عمارت سے انگلیوں کے نشانات مٹانا اتنا آسان نہیں ہوتا.... کہیں نہ کہیں.... کوئی نہ کوئی نشان مٹانے سے رہ گیا ہوگا.... اس نشان کی تلاش کرنے کی ضرورت ہے اکرام...."

"اچھی بات ہے۔" اکرام نے کہا اور ان کی ہدایت فنگر پرنٹ کے عملے کو سنا دی۔ انہوں نے بھی اس بات کو تسلیم کیا اور کوئی بچا کھچا نشان تلاش کرنے پر جٹ گئے۔ ایک گھنٹے کی سخت محنت کے بعد انہیں انگلیوں کے تین نامکمل نشان ملے۔ ان میں سے ایک عرفان دارا کے کمرے سے ملا.... ان نشانات کی کئی کئی تصویریں اتاری گئیں.... آخر وہ واپس لوٹے..... پولیس کے .... آدمیوں کو رخصت کر دیا گیا۔

"اکرام! اسلام خان کے ہاں چلنا ہے۔"

"جی بہتر!" اکرام نے کہا اور جیپ کا رخ اسلام خان کے گھر کی طرف کر دیا.... تھوڑی دیر بعد وہ ایک بار پھر اس کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ اس بار بھی دروازہ [illegible] نے کھولا اور

انہیں دیکھ کر حیرت زدہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ اس کے ساتھ وہ اندر پہنچے تو اسلام خان ابھی تک ڈرائنگ روم میں نگران کے ساتھ موجود تھا۔

"انہوں نے کوئی فون کرنے کی کوشش تو نہیں کی؟"

"جی نہیں!"

"باہر سے کوئی فون تو نہیں آیا؟"

"جی ہاں! ایک فون آیا تھا، کوئی شخص مسٹر اسلام خان سے بات کرنا چاہتا تھا، لیکن میں نے اس سے کہہ دیا کہ مسٹر اسلام خان شام کو مل سکیں گے، آپ پیغام لکھوا دیں، اس نے پیغام لکھوایا اور سلسلہ بند کر دیا۔"

"خوب!" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید اسلام خان کی طرف مڑے:

"آپ کو یہ سن کر شاید بہت صدمہ ہوگا کہ ہم نے عرفان دادا کو گرفتار کر لیا ہے.... اور اب آپ کو اس سے چائے نہیں مل سکے گی۔" انسپکٹر جمشید نے اندھیرے میں تیر چلایا۔

"نہیں!!" اسلام خان خوف زدہ انداز میں زور سے اچھلا۔

"ہاں! اب آپ کے لیے بہتر یہی ہے کہ سب کچھ صاف صاف بتا دیں، ورنہ میں آپ کو گرفتار کرنے پر مجبور ہوں گا۔"

"اف میرے خدا.... اب میرا کیا بنے گا؟"

"جب تک آپ ساری بات نہیں بتائیں گے، اس وقت تک

ہم کچھ نہیں بتا سکتے کہ آپ کا کیا بنے گا۔"

"اچھا! میں بتاتا ہوں....." اس نے تھکے تھکے انداز میں کہا اور پھر کار کے کھڈ میں گرنے سے لے کر اس وقت تک کے تمام واقعات دہرا دیے.... انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق، فرزانہ اور اکرام چائے کی یہ خاصیت سن کر حیرت زدہ رہ گئے.... انہوں نے تو اندازے سے ہی ایک بات کہہ دی تھی.... لیکن یہاں تو سارا کیا دھرا چائے کا نکل آیا تھا! آخر انسپکٹر جمشید بولے۔

"مسٹر اسلام خان! آپ مال دار آدمی ہیں، فوراً کسی اچھے ڈاکٹر کی خدمات حاصل کریں.... ابھی آپ کے پاس چھ سات دن کی چائے موجود ہے.... ڈاکٹر اس دوران ضرور آپ کے خون میں سے اس چائے کا اثر خارج کرنے میں کامیاب ہو جائے گا....." یہ کہہ کر وہ فون کی طرف متوجہ ہوئے.... لیبارٹری انچارج کے نمبر ملائے اور بولے:

"اس چائے نے اب ایک خوفناک صورت اختیار کر لی ہے.... اسے پینے والا اس کا فوری طور پر زبردست عادی ہو جاتا ہے.... جب تک ہر روز ایک کپ نہ پی لے، اسے قرار نہیں آتا.... شدید دماغی تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس کا [illegible] کر اس کا جائزہ لیں اور جلد از جلد اس کا کوئی توڑ دریافت کرنے کی کوشش کریں.... کیونکہ عرفان دادا [illegible]

کا عادی بنا چکا ہے وہ ایک طوفان کھڑا کر دیں گے۔"

دوسرے دن کے اخبارات میں ایک خبر پہلے صفحے پر موجود تھی۔ خبر کی سرخی یہ تھی.... انسپکٹر جمشید نے عرفان دارا کو گرفتار کر لیا۔ یہ خبر ان کے اشارے پر شائع ہوئی تھی۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے اس خبر کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر پڑھا۔

"ابا جان! یہ کیا؟" آخر فرزانہ سے رہا نہ گیا۔

"یہ.... یہ خبر ہے بھئی۔" وہ مسکرائے۔

"لیکن ابا جان! یہ تو بالکل جھوٹی خبر ہے۔"

"اں! کبھی کبھی مصلحت کے پیش نظر ایسا بھی کرنا پڑتا ہے۔ اس جھوٹی خبر سے بہت سے لوگوں کا بھلا ہو گا۔"

"بھلا ہو گا کیسے؟" محمود بولا۔

"ابھی تھوڑی دیر بعد دیکھ ہی لو گے۔"

ابھی وہ چائے ختم نہیں کر پائے تھے کہ گھر کے باہر شور کی آواز سنائی دی۔ کچھ لوگوں کے نعرے لگانے کی آواز بھی آئی۔

"دروازہ کھولو.... ورنہ ہم دروازہ توڑ دیں گے.... انسپکٹر جمشید.... تم اندر کہاں چھپے بیٹھے ہو، ہمیں جیتے جی موت کے گھاٹ اتار کر تم چین سے گھر میں نہیں بیٹھ سکو گے۔"

"لو بھئی.... وہ لوگ آ پہنچے.... یہ سب چائے کے عادی بنا دیے گئے ہیں اور یہ خبر پڑھ کر ہی آئے ہیں، ورنہ جوں جوں

ان کی چائے ختم ہوتی، یہ لوگ عرفان دارا کی عمارت کی طرف جاتے اور وہاں کسی کو نہ پا کر پاگلوں کی طرح دیواروں سے سر ٹکراتے.... لیکن اب ہم وقت سے پہلے ان کا علاج کریں گے۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھے اور سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر پہنچے، پھر نیچے جھک کر مجمع کو غور سے دیکھتے ہوئے بولے!

"آپ لوگ فکر نہ کریں، عرفان دارا کے پاس سے ساری چائے حاصل کر لی گئی ہے.... اب وہ چائے آپ کو مجھ سے مفت ملا کرے گی.... لیکن اس سے پہلے آپ سب کو اپنا دماغی معائنہ کرانا پڑے گا کہ آپ کو کس کس مقدار میں چائے کی ضرورت ہے.... لہٰذا آپ میرے آدمیوں کے ساتھ معائنہ گاہ میں چلے جائیے۔"

"کہاں ہیں آپ کے آدمی؟" ان میں سے کئی پرمسرت انداز میں چلائے۔ انسپکٹر جمشید کے الفاظ نے ان میں خوشی کی لہر دوڑا دی تھی۔

"ہم یہاں موجود ہیں، آپ لوگوں کے لیے بس سڑک کے کنارے کھڑی ہے، سب لوگ اس میں تشریف رکھیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

اور وہ اچھلتے کودتے بس کی طرف بھاگے....

"محمود.... فاروق.... فرزانہ.... عجیب بات ہے۔"

"جی.... کیا مطلب.... یہ ہم تینوں عجیب بات کب سے ہو گئے۔"

"میرا مطلب ہے.... ان لوگوں میں طفیل شامی کیوں شامل نہیں ہے؟"

"اس لیے کہ وہ شامی ہے.... اور یہ لوگ شامی نہیں ہیں، اس لیے شامل ہیں" فاروق نے نئی بات کہی۔

"واہ! کتنا اچھا جواب ہے" فرزانہ نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"اچھا تم لوگ سکول جاؤ.... شام کو ہم شامی صاحب سے ملاقات کریں گے" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

○

طفیل شامی نے انہیں عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

"آپ نے صبح کے اخبار میں عرفان دارا کے بارے میں خبر پڑھی" ڈرائنگ روم کی کرسی پر بیٹھنے کے بعد انہوں نے کہا۔

"ہاں پڑھ چکا ہوں" وہ لاپروائی سے بولا۔

"تو کیا آپ اس کی چائے کے عادی نہیں ہیں۔"

"ہوں! پھر اس سے کیا؟"

"کیا آپ کو گھبراہٹ محسوس نہیں ہوئی.... اب آپ کو چائے کیسے ملے گی؟"

"میں اپنی دولت کا ایک بہت بڑا حصہ اسے دے کر پہلے ہی بہت بڑی مقدار میں چائے اس سے حاصل کر چکا ہوں۔"

"تب پھر میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس چائے کو استعمال نہ کریں اور وجود کو طلاق کے لیے پیش کر دیں۔"

"جب تک چائے کا سٹاک ختم نہیں ہو جاتا، مجھے اس کی ضرورت نہیں۔"

"خیر.... آپ کی مرضی.... کیا میں آپ کا چائے کا سٹاک دیکھ سکتا ہوں؟"

"ہاں! کیوں نہیں.... آئیے میں دکھاتا ہوں، لیکن آپ اسے ہاتھ بھی نہیں لگائیں گے، اس چائے کے پینے پر ملکی قانون نے ابھی تک کوئی پابندی عائد نہیں کی اور میں نے بہت سی دولت دے کر اسے خریدا ہے، لہٰذا آپ مجھے روک نہیں سکتے" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے، میں تو صرف اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ انہیں لے کر اپنی لائبریری میں آیا اور ایک الماری کا تالا کھولنے لگا۔ الماری کھلتے ہی انہوں نے دیکھا کہ پوری الماری چائے کے ڈبوں سے بھری تھی، ڈبے گتے کے تھے.... اور اس قسم کے ڈبے انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ عرفان دارا یہ ڈبے کہاں سے حاصل کرتا رہا ہے؟"

"یہ بات بھلا میں کیا جانوں.... اور وہ مجھے کیوں بتانے لگا

.... اگر وہ اپنے شکاروں کو یہ بات بتاتا رہتا تو وہ لوگ خود ہی
یہ چائے حاصل کر لیا کرتے۔"

"ہوں! آپ ٹھیک کہتے ہیں .... تو آپ اس چائے کے
استعمال سے باز نہیں آئیں گے۔"

"نہیں! اسے پی کر مجھے ایک عجیب لطف آتا ہے .... جب تک
چائے کا اسٹاک ہے، میں اس سے لطف اٹھاؤں گا، اس کے
بعد خود کو ڈاکٹروں کے حوالے کر دوں گا۔"

"ہو سکتا ہے، اس وقت تک آپ علاج کے قابل نہ رہیں۔"

"پروا نہیں، موت تو ایک دن یوں بھی آئے گی۔" اس نے
لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

"اچھی بات ہے۔"

وہاں سے واپسی پر وہ گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے
ایسے میں فرزانہ نے کہا۔

"ابا جان! آپ عرفان دارا کی گرفتاری کے لیے کیا کر رہے ہیں؟
اب تو اس کا جرم بھی معلوم ہو چکا ہے۔"

"میں آج دفتر میں اس کی تلاش بہت ہی خفیہ طریقے سے شروع
کرا چکا ہوں، تم فکر نہ کرو۔"

"اس کے پاس نہ جانے ابھی کتنی چائے باقی ہو گی، اگر وہ گرفتار
نہ ہوا تو اور بہت سے لوگوں کو اپنا غلام بنا لے گا۔" محمود نے

خطرہ ظاہر کیا۔

"ہاں! اس کا امکان ہے .... لیکن ہم اسے تلاش کرنے کے
سوا کر ہی کیا سکتے ہیں۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ کسی دور دراز شہر کی طرف
نکل گیا ہو۔"

"فکر نہ کرو .... پورے ملک میں اسے تلاش کیا جا رہا ہے،
میں افسرانِ بالا کو اس کے بارے میں تفصیل سے بتا چکا ہوں
اور وہ سب اس کی گرفتاری کو بہت اہمیت دے رہے ہیں
کیونکہ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ وہ یہ عجیب و غریب چائے کہاں
سے حاصل کر رہا ہے .... اگر وہ گرفتار نہ ہوا تو ان گنت
لوگوں کو اپنا شکار بنا لے گا، قوم اس چائے کی عادی ہوتی چلی
جائے گی اور یہ ایک خوفناک صورت حال ہو گی .... لہٰذا اس کی گرفتاری
بہت ضروری ہے۔" وہ کہتے چلے گئے۔

"وحشت تیرے کی، یہ عرفان دارا تو عجیب چالاک مجرم ثابت
ہوا ہے۔" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا، لیکن غلطی سے اس
کا ہاتھ فاروق کی ران پر لگا۔

"یہ چالاک مجرم اور عجیب مجرم تو ہم نے سنا تھا، عجیب چالاک
مجرم پہلی مرتبہ سنا ہے .... دوسرے یہ کہ تم اب اپنی ران کی
بجائے دوسروں کی رانوں کو کیوں نشانہ بنانے لگے ہو، کیا تمہاری

ران تمہارے ہاتھ کھا کھا کر تھک گئی ہے۔"

"بھئی جان بوجھ کر نہیں مارا" محمود نے جھینپ کر کہا۔

"اچھا.... اگر جان بوجھ کر نہیں مارا تو جاؤ معاف کیا، ورنہ تم جانتے ہی ہو، میں معاف کرنے والا نہیں" فاروق نے اکڑ کر کہا۔

"ہاں! یہ تو مجھے معلوم ہے" محمود نے فوراً کہا۔

"اور اتفاق سے مجھے بھی معلوم ہے.... ویسے اس بار ہم کچھ بے طرح نہیں الجھ گئے" فرزانہ نے کہا۔

"تو ہم کب بے طرح الجھتے ہیں" فاروق نے منہ بنایا۔

"عام طور پر ہم ایک کیس کو ایک آدھ دن میں ہی نمٹا دیتے ہیں، اس بار تقریباً تین دن ہو گئے ہیں" فرزانہ نے کہا۔

"اور مجرم کا اب بھی دور دور تک پتا نہیں" محمود بولا۔

"مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے، مجرم ہمارے آس پاس ہی کہیں موجود ہے" فرزانہ نے کہا۔

"تمہیں محسوس ہو رہا ہوگا، میرا تو خیال یہ ہے کہ وہ کسی دوسرے شہر میں جا چکا ہے.... بلکہ شاید ملک سے ہی فرار ہونے کا پروگرام بنا رہا ہو۔"

"دونوں ہی باتیں ہو سکتی ہیں" انسپکٹر جمشید نے ان کی گفتگو میں دخل دیا۔

"اوہو ابا جان.... اسے تو ہم بھول ہی گئے" ایکا ایک فرزانہ چونکی۔

گئے تو ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"اسلام خان کو.... اسے آپ نے کسی ڈاکٹر کی خدمات حاصل کرنے کے لیے کہا تھا.... کیا اسے دوسروں کی طرح سرکاری ڈاکٹر کے حوالے نہیں کریں گے؟"

"ہاں ایسا کرنا تو چاہیے.... چلو ادھر بھی ہو آتے ہیں۔"

ایک بار پھر وہ اسلام خان کی کوٹھی پہنچے۔ عطیہ انہیں اس رتبہ دیکھ کر اور بھی حیران ہوئی.... اور پھر بولی۔

"تو آپ نے ابو سے جھوٹ بولا تھا؟"

"جھوٹ بولا تھا، کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"مطلب یہ کہ آپ ابھی تک عرفان دارا کو گرفتار نہیں کر سکے؟"

"آپ یہ کس طرح کہہ سکتی ہیں؟" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"اس طرح کہ تھوڑی دیر پہلے عرفان دارا کا فون آیا تھا، ریسیور اتفاق سے میں نے اٹھایا.... اس نے مجھ سے کہا کہ فون اپنے ابو کو دو.... اور یہ کہ وہ عرفان دارا بول رہا ہے، ابو دوڑے آئے.... نہ جانے فون پر اس نے کیا کہا.... وہ فوراً ہی گھر سے کہیں چلے گئے" عطیہ نے تفصیل سے بتایا۔

"اوہ!" ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"بات دراصل یہ ہے بیٹی.... میں نے اصل بات جاننے کے لیے

وہ جھوٹ بولا تھا اور تم اطمینان رکھو، اس جھوٹ سے تمہارے ابّو
جیسے بے شمار خوف زدہ آدمی مصیبت سے بچ گئے ہیں"

"ہوں.... خیر.... فرمایئے..... اب آپ کیا چاہتے ہیں"

"ہم تو اس نیت سے آئے تھے کہ آپ کے ابّو کا علاج
سرکاری ڈاکٹر کے ذریعے کرائیں گے، لیکن وہ تو ابھی تک عرفان دارا
کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں، اس کا فون سن کر انہیں اس کے
پاس نہیں جانا چاہیے تھا"

"ہم نے تو انہیں بہت روکا تھا.... مگر وہ مانے ہی نہیں"

"خیر کوئی بات نہیں.... اب وہ جب بھی آئیں، ان سے کہہ
دیں کہ فون پر مجھ سے بات کریں..... یا اگر آپ اپنے ابّو کا
بھلا چاہتی ہیں تو خود مجھے فون کے ذریعے اطلاع دے دیں کہ وہ
آ گئے ہیں"

"ہوں.... ٹھیک ہے، میں یہی کروں گی" اس نے کہا۔

وہ باہر نکل آئے، اب یہ بات ان پر واضح ہو چکی تھی
کہ عرفان دارا کسی دوسرے شہر یا ملک سے باہر فرار نہیں ہوا،
ابھی تک وہ شہر میں کہیں موجود ہے، نہ صرف موجود ہے، بلکہ اپنی
کارروائیوں سے بھی باز نہیں آیا....

"اکرام.... ہمیں چوبیس گھنٹے اسلام خان کے گھر کی نگرانی کرنی ہے
وہ کب واپس آتا ہے اور پھر کہاں جاتا ہے.... نہایت احتیاط

سے اس کا تعاقب کرنا ہے۔ عرفان دارا تک اگر ہمیں کوئی لے
جا سکتا ہے تو صرف اسلام خان"

"آپ فکر نہ کریں، میں ابھی تین آدمیوں کی ڈیوٹی یہاں لگا دیتا ہوں،
وہ آٹھ آٹھ گھنٹے نگرانی کریں گے اور مجھے پل پل کی خبر دیں گے
جونہی کوئی کام کی اطلاع ملی، میں آپ کو فون کر دوں گا۔"
اکرام نے کہا۔

"ٹھیک ہے، نگرانی کے کام کی پوری ذمے داری تم پر
ڈالتا ہوں، بہت ہی اچھے آدمی اس کام پر لگاؤ۔ یہ بہت
ضروری ہے، عرفان دارا کا آزاد رہنا لوگوں کے لیے بہت
خطرناک ہے....."

"آپ مجھے یہیں اتار دیں، میں یہیں سے اپنے آدمیوں کو فون
کروں گا اور جب تک ان میں سے ایک یہاں پہنچ نہیں جائے
گا، میں یہاں سے نہیں ہلوں گا"

"ٹھیک ہے" انسپکٹر جمشید بولے۔

اکرام کو اتار کر وہ گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

"ابا جان! کیا ہم قانون کے ذریعے طفیل شامی کو پیاسے کا شکار
بننے سے نہیں بچا سکتے"

"وہ چاہے ابھی تک زندگی کے لیے نقصان دہ ثابت نہیں ہوئی
بلکہ اس کا نہ ملنا نقصان دہ ہے..... ذ... ذرا پھر اگر طفیل شامی

مر گیا تو اس کے وارث سرکار پر دعویٰ کر دیں گے..... جہاں
تک دوسرے آدمیوں کا معاملہ ہے، تو ان کے پاس تو چائے بھی
ہی نہیں، لہذا ان کا علاج کرنے کے سوا چارہ کیا ہے.... ہاں
جب شاہی کے پاس سٹاک ختم ہو جائے گا تو وہ خود ہی ہسپتال
کی طرف جائے گا، ہاں ہم یہ ضرور کر سکتے ہیں کہ اسے سمجھائیں
وہ چائے کے استعمال کی بجائے، اپنا علاج کروانا منظور کرے"

"خدا جانے عرفان دادا شہر کے کس کونے میں چھپ گیا ہے"
محمود نے جھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"فکر نہ کرو.... اس سے ایک بہت بڑی غلطی ہو چکی ہے۔
اور وہ غلطی ہے، اسلام خان کو فون کرنا، مجھے حیرت ہے اسے
اسلام خان کو فون کرنے کی کیا ضرورت تھی"

"وہ اپنے شکاروں کو یہ کیوں نہ بتائے کہ اسے گرفتار نہیں
کیا جا سکا.... وہ آزاد ہے اور ان کی جان ابھی تک اس کی
مٹھی میں ہے" فرزانہ نے جواب میں کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے... شاید وہ نئے سرے سے اپنے کام
کو پھیلانے اور کروڑ پتی بننے کا پروگرام بنا چکا ہے... اور پھر
اس کے دو ساتھی بھی تو ابھی تک آزاد ہیں.... جو اس
نے کے کاروبار کے بارے اپنی صورت میں بیچ کر رکھے
ظاہر ہے، وہ سب چائے کے عادی تھے... وہ انہیں

ہنگ کرے گا..."

"گویا اب ہمیں انتظار کرنا ہوگا"

"ہاں! اس کے سوا کوئی چارہ نہیں.... اس بار بہت
چالاک مجرم سے واسطہ پڑا ہے"

رات کے گیارہ بجے اکرام نے انہیں فون پر یہ
اطلاع دی:

"اسلام خان ابھی ابھی گھر پہنچا ہے.... کیا آپ اس سے
ملاقات کرنا پسند کریں گے"

"نہیں! اس کے مکان کی نگرانی بدستور جاری رہے گی"
انہوں نے کہا۔

اور پھر تین دن گزر گئے، اس دوران ہسپتال کا عملہ
عرفان دادا کے مریضوں کا کوئی علاج نہ کر سکا.... وہ کوئی
ایسی دوا دریافت نہ کر سکا جو چائے نہ ملنے کی تکلیف سے
انہیں نجات دلا دے۔ ان لوگوں نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر
اٹھا لیا۔ تیسرے دن ایک نئی بات ہوئی۔ ان مریضوں کے رشتہ
دار ہسپتال پہنچ گئے اور ان سب نے مل کر یہ مطالبہ کیا کہ
ان کے رشتے داروں کو ان کے حوالے کیا جائے، وہ پرائیویٹ
طور پر ان کا علاج کرانا چاہتے ہیں۔ ہسپتال والے پہلے ہی
سے پریشان تھے... انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا اور ان کے

عزیزوں کے حوالے کرنے کے لیے تیار ہو گئے، لیکن اس سے
پہلے انسپکٹر جمشید سے اجازت لینا ضروری تھا، کیونکہ ان مریضوں
کو ان کے ذریعے ہی ہسپتال پہنچایا گیا تھا، چنانچہ میڈیکل سپرنٹنڈنٹ
نے انسپکٹر جمشید کو فون کیا اور ساری صورتِ حال انہیں بتائی...
ادھر سے انہوں نے جواب دیا:

"ٹھیک ہے، ان لوگوں کو جانے دیا جائے، لیکن اس سے
پہلے ان کے نام اور پتے نوٹ کر لیے جائیں اور ناموں کی
یہ فہرست مہربانی فرما کر مجھے بھیج دی جائے۔"

"بہت بہتر!" ایم ایس نے کہا اور پھر ان کی ہدایت پر
عمل کیا گیا۔ فہرست انہیں بھیج دی گئی۔ یہ فہرست انہوں نے
اکرام کے حوالے کر دی ..... اور اس کے بارے میں خاص ہدایات
بھی دیں۔

وقت گزرتا جا رہا ہے ..... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے عرفان دارا
زمین کے نیچے کہیں چھپ گیا ہے ..... تاہم انسپکٹر جمشید کے سکون
میں فرق نہیں آیا تھا، جب کہ محمود، فاروق اور فرزانہ بہت اُ...
محسوس کر رہے تھے، اس قدر انتظار کے عادی نہیں تھے۔ خدا خدا
کر کے ان کا انتظار ختم ہوا اور ایک روز رات کے ایک بجے اکرام
کا فون انہیں موصول ہوا۔ فون انسپکٹر جمشید نے سنا اور پھر انہوں نے
ان تینوں کو جگا دیا ..... ساتھ ہی بیگم کو جگا کر ہدایت کی کہ دروازہ

...سے بند کر لیں۔

"ابا جان! کہاں چلنا ہے؟"

"ابھی ابھی ایک اطلاع ملی ہے ..... اپنے ہتھیار ساتھ لے لو .....
...ہو تو زور دار معرکے کی امید ہے۔"

"اوہ!" وہ خوش ہو گئے ..... اس دن کے انتظار میں تو وہ
...کو چلے تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ جیپ میں تھے۔ ایک سمت میں چلے جا
رہے تھے ..... اور پھر ان کی حیرت کا کوئی ٹھکانا نہ رہا جب
انہیں یہ پتا چلا کہ جیپ کا رخ عرفان دارا کی اس عمارت کی
طرف ہے جس میں وہ گتہ بنانے کا کاروبار کرتا رہا ہے۔

آخری وار

عمارت سے کافی پہلے ہی انسپکٹر جمشید نے جیپ سڑک
سے اتار کر درختوں کے درمیان پہنچا دی اور انجن بند کرتے ہوئے
نیچے اتر آئے، محمود، فاروق اور فرزانہ بھی اتر پڑے۔
"تو کیا وہ ابھی تک اس عمارت کو استعمال کر رہا ہے"
فرزانہ کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔
"ہاں! اور ہم یہ بات سوچ بھی نہ سکے۔" وہ بولے۔
"حیرت ہے اس کی دیدہ دلیری پر" محمود نے کہا۔
"اس نے بھی یہی سوچا ہوگا کہ ہم یہ بات سوچ بھی نہیں
سکیں گے" فاروق بولا۔
"یہیں درختوں کی اوٹ لے کر آگے بڑھنا ہے.... میں نے
کو پولیس کی جماعت ساتھ لانے سے منع کر دیا ہے، کیونکہ اس
گڑبڑ ہونے کا امکان تھا، ہم صرف چار جب اندر چلیں گے
ہم سے کوئی خطرہ محسوس نہیں کر پائے گا اور کھل کر سامنے آجائے
"آپ نے اچھا کیا" محمود نے خوش ہو کر کہا" پولیس کی

پسند نہیں تھی۔
"لیکن ابا جان! کیا اس طرح آپ نے شدید خطرے کو آواز
نہیں دی"
"بھئی وہ تو ہم دیتے ہی رہتے ہیں" وہ مسکرائے۔
"اور میرا خطرہ بھی ہماری باتوں کا جواب ترکی بہ ترکی دیتا رہتا
ہے" فاروق گنگنایا۔
"کیا تم تینوں پوری طرح تیار ہو کر آئے ہو"
"جی ہاں! ہمارے ہتھیار ہمارے پاس موجود ہیں"
"بہتر ہوگا کہ انہیں پہلے ہی ہاتھوں میں لے لو" انہوں نے کہا۔
"جی بہتر!"
درختوں کی اوٹ لیتے وہ اندر ہی اندر آگے بڑھتے چلے
گئے، یہاں تک کہ انہیں عمارت نظر آنے لگی.... آسمان پر چاند چمک
رہا تھا اور اس کی روشنی میں وہ لمبی چوڑی عمارت بہت خوفناک
نظر آرہی تھی..... اچانک ان کے اٹھتے قدم رک گئے... انہوں
نے دیکھا.... دو تین سائے سڑک کے راستے عمارت کی طرف
آرہے تھے۔ وہ رک گئے.... انہوں نے اپنے سانس روک
لیے.... پھر انہوں نے ان سایوں کو اندر داخل ہوتے دیکھا۔
"اس کا مطلب ہے، ہمیں ملنے والی اطلاع بالکل درست
ہے" انسپکٹر جمشید نے سرگوشی کی۔

"کیسی اطلاع؟"

"تمہیں وہ فہرست یاد ہو گی، میں نے ان تمام آدمیوں کی نگرانی اسی روز سے شروع کرا دی تھی اور آج یہ اطلاع ملی تھی کہ ان میں سے اکثر اس طرف آتے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔"

"اوہ.... تو اس طرح آپ کو یہ بات معلوم ہوئی.... اور کیا اسلام خان کو گھر سے نکلتے نہیں دیکھا گیا؟"

"اسے بھی ادھر ہی آتے ہوئے نوٹ کیا گیا ہے.... اکرام کا ماتحت اس کے تعاقب میں یہاں پہنچ چکا ہو گا۔"

"ہوں..... گویا عرفان دارا سے آمنا سامنا ہونے کا دن آ ہی گیا۔" محمود نے لمبا سانس کھینچا۔

"معلوم تو یہی ہوتا ہے۔"

درختوں کے پیچھے چھپے وہ انتظار کرتے رہے۔ لوگ ایک ایک دو دو کر کے آتے رہے اور عمارت میں داخل ہوتے رہے۔ یہ سلسلہ تقریباً دو گھنٹے تک جاری رہا.... پھر کافی دیر تک کوئی نہ آیا تو یہ لوگ آگے بڑھے۔ دروازے پر پہنچے تو معلوم ہوا، دروازہ اندر سے بند کیا جا چکا تھا۔ انسپکٹر جمشید بھی پورا انتظام کر کے آئے تھے۔ فوراً اپنے بریف کیس میں سے سلوفن کی شکل کی کوئی چیز نکالی، اسے دروازے کے ساتھ زمین پر پھیلا دیا اور لائٹر سے اسے آگ لگا دی۔ اس نے آگ اس طرح پکڑی جیسے

پیٹرول پکڑتا ہے، فاروق سے رہا نہ گیا، کہہ ہی اٹھا:

"ابا جان! کیا یہ خشک پیٹرول تھا؟"

"خاموش رہو.... اندر موجود لوگوں کو بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیے کہ ہم اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہے ہیں، ورنہ وہ ہماری کوشش آن کی آن میں ناکام بنا دیں گے، میرے خیال کے مطابق اندر کافی تعداد میں لوگ موجود ہیں...." انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

دروازہ اب تیزی سے جل رہا تھا، اس کے جلنے سے ہلکی سی چڑچڑ ہو رہی تھی اور پھر دروازے کی جگہ خلا نظر آنے لگا، دروازہ غائب ہو گیا.... وہ مکمل طور پر جل گیا تھا۔

"میں اندر چھلانگ لگا رہا ہوں، تم لوگ بھی میرے پیچھے آؤ۔"

"لیکن ابا جان.... چھلانگ لگانے سے کیا آواز پیدا نہیں ہو گی؟" فرزانہ نے اعتراض کیا۔

"ضرور ہو گی، لیکن ہم ان کوئلوں کے سرد ہونے کا انتظار نہیں کر سکتے اور نہ انہیں بجھانے کے لیے پانی یا مٹی کا انتظام کر سکتے ہیں۔"

"ہوں۔ چلیے پھر ٹھیک ہے۔"

سب سے پہلے انسپکٹر جمشید کود کر چھلانگ لگا گئے، پھر محمود، فاروق اور فرزانہ.... وہ صحن کی طرف بڑھے، تمام کمروں کے دروازے

کھے ہوئے تھے۔ انھوں نے ایک ایک کمرے میں جھانک کر دیکھ لیا
کسی کمرے میں بھی کوئی نظر نہ آیا۔ اب تو وہ بہت حیران ہوئے
سوالیہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے.... محمود نے اپنے
میں کہا:

"اس کا مطلب ہے.... یہاں کچھ خفیہ کمرے بھی ہیں اور وہ ضرور
زمین کے نیچے ہوں گے۔"

"بلکہ اب تو میں یہاں تک کہہ سکتا ہوں.... عرفان وارث
سے کہیں فرار ہی نہیں ہوا، اس سے پہلے جب ہم نے پولیس
کے ساتھ چھاپہ مارا تھا تو اس نے دور سے ہمیں آتے دیکھ لیا ہو
گا اور وہ خفیہ کمروں میں سب کے ساتھ چھپ گیا، ہم سمجھے
کہ وہ فرار ہو گیا۔"

"اوہ! ضرور یہی بات ہے۔"

"اس کا مطلب ہے، وہ اتنے دن سے یہیں ہے۔"

"ہاں! اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"اب ہمیں جلد از جلد وہ خفیہ راستہ تلاش کرنا ہے جس کے ذریعے
وہ ان کمروں میں جاتے ہیں۔"

"ابا جان! میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔" فرزانہ نے اجازت طلب
انداز میں کہا۔

"ضرور کہو۔"

"ان حالات میں جب کہ وہ سب لوگ نیچے کہیں موجود ہیں، اور کافی
تعداد میں ہیں، کیا ہم پولیس کی مدد نہیں لے سکتے.... پولیس اوپر
موجود رہے گی اور ہم نیچے چلیں گے۔"

"تم فکر نہ کرو، اکرام کچھ دیر بعد پولیس کو لے کر یہاں پہنچ
جائے گا.... میں پولیس کو ساتھ لانے کے خلاف ہوں.... اس
طرح ہمارے کام میں خلل پڑتا ہے۔"

"پھر تو ٹھیک ہے، بسم اللہ کیجیے۔"

وہ خفیہ راستے کی تلاش میں جٹ گئے۔ فرزانہ نے سب
سے پہلا کام یہ کیا کہ زمین پر جھک گئی اور کان لگا کر سننے کی
کوشش کی، پھر اٹھتے ہوئے بولی:

"بلاشبہ نیچے باتیں کی جا رہی ہیں۔"

ان پر جوش کی حالت طاری ہو گئی۔ راستے کی تلاش میں
اور تیزی آ گئی.... انھوں نے ایک ایک دیوار کو ٹٹول کر دیکھا،
دیواروں پر لگی تصویروں کے فریموں کے پیچھے ہاتھ ڈال کر دیکھا
.... غرض کوئی گوشہ بھی نہ چھوڑا، لیکن خفیہ راستہ نہ ملا۔

"اگر راستہ نہ ملا، تب بھی یہ لوگ ہمارے ہاتھوں سے بچ نہیں
سکیں گے، ظاہر ہے کہ انھیں اوپر تو آنا ہی ہو گا۔" انسپکٹر جمشید
بڑبڑائے۔

"لیکن یہ زیادہ اچھا ہے کہ ہم راستہ تلاش کر لیں۔"

پہنچیں۔ اس طرح ہم انہیں بوکھلا دیں گے" محمود نے کہا۔

"ہوں! تمہارا خیال ٹھیک ہے"

اب وہ عرفان دادا کے کمرے میں موجود تھے۔ اس کمرے کے آتش دان کو دیکھ کر نہ جانے فاروق کے جی میں کیا آئی کہ بیٹھ کر سلاخ سے اس کی راکھ کریدنے لگا۔

"اس راکھ میں سے کوئی چنگاری نہیں نکلے گی.... بے کار کوشش کر رہے ہو" فرزانہ نے اس پر اچٹتی سی نظر ڈال کر کہا۔

"فکر نہ کرو.... میرا چنگاریوں کا بیوپار کرنے کا کوئی ارادہ نہیں" فاروق نے فوراً جواب دیا۔

"خدا کا شکر ہے، ورنہ میں تو ڈر ہی گیا تھا کہ اب فاروق کے کپڑے ہر جگہ سے جلے ہوئے ملا کریں گے.... ان میں ننھے منے سوراخ نظر آیا کریں گے"

"شاید تم یہ کاروبار کرتے رہتے ہو، جبھی تمہیں اندازہ ہے کہ کپڑوں کا کیا حال ہوتا ہے"

اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کی سلاخ کسی چیز سے ٹکرائی۔ اس نے راکھ میں ہاتھ ڈال کر اسے ٹٹولا، تو وہ ایک زنجیر تھی۔ زنجیر پکڑ کر جو اس نے زور سے کھینچی تو [illegible] کے پلنگ کے ساتھ بہت بڑا دروازہ نمودار ہو گیا۔

"ارے! یہ تو کھل گیا ہے" محمود نے کہا۔

"تم نے دیکھا فرزانہ.... راکھ میں سے چنگاری نکل آئی" فاروق مسکرایا۔

"ہاں! دیکھا.... راستہ تلاش کرنے کا سہرا واقعی تمہارے سر ہے، لیکن یہ سہرا ذرا راکھ آلود ہے"

"چلو تو کیا ہوا، غبار آلود تو نہیں ہے" فاروق نے مطمئن لہجے میں کہا اور وہ مسکرانے لگے۔

"آؤ نیچے.... اب وقت ضائع کرنا مناسب نہیں...." انسپکٹر جمشید یہ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھے۔ سیڑھیاں نیچے جاتی نظر آئیں۔ وہ دبے پاؤں سیڑھیاں اترنے لگے۔ نچلی سیڑھی کے ساتھ ایک ویسی ہی زنجیر لٹک رہی تھی.... وہ سمجھ گئے کہ اس کے ذریعے نیچے سے دروازہ کھولا اور بند کیا جا سکتا ہے۔ تاہم انہوں نے دروازہ بند کرنے کی کوشش نہیں کی، تاکہ اکرام اور اس کے ساتھ آنے والوں کو ضرورت کے وقت نیچے آنے میں آسانی رہے۔

آخری سیڑھی اترتے ہی انہوں نے دیکھا، نیچے بھی بالکل اوپر والی عمارت کے مطابق ایک عمارت تھی۔ تاہم یہاں کمروں کے دروازے کم تھے جس کا مطلب یہ تھا کہ کمرے بہت بڑے بڑے ہیں۔ ایک کمرے کے دروازے پر انہیں ایک عجیب سا تالا لگا نظر آیا۔ فرزانہ نے اس کے دروازے سے کان لگا کر دیکھا، لیکن کوئی آواز سنائی نہ دی۔ اس نے نفی میں سر ہلایا اور آگے بڑھی۔ دوسرے

کمرے کے دروازے پر بھی تالا لگا تھا اور اندر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی..... اس کمرے کے بالکل سامنے ایک اور کمرے کا دروازہ تھا وہ اس کی طرف بڑھی اور نزدیک پہنچنے سے پہلے ہی اس کے کانوں میں کسی کی آواز آنے لگی، اگرچہ دروازہ بند تھا۔ دوسروں نے بھی آواز سن لی۔

"پہلے ہمیں ان دو کمروں کا جائزہ لینا چاہیے.... انسپکٹر جمشید نے سرگوشی کی۔

"لیکن ابا جان! آپ ان کے تالوں کو کس طرح کھولیں گے، ہم نے تو آج تک اس قسم کے تالے کھولے بھی نہیں۔"

"اگر تالے نہ کھلے تو میں آگ لگا کر انہیں گرا دوں گا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور چابیوں کا گچھا جیب سے نکال کر پہلے کمرے کے تالے پر جھک گئے۔ یہ دیکھ کر محمود نے اپنی جیب سے مڑا تڑا تار نکالا اور دوسرے تالے پر جھک گیا۔

"اب ہم کیا کریں فرزانہ؟" فاروق نے کہا۔

"دروازے کھلنے کا انتظار۔" اس نے کہا۔

"لیکن تم اس دوران تیسرے کمرے کے دروازے پر کان لگا کر کھڑی کیوں نہیں ہو جاتیں، شاید تم اندر ہونے والی گفتگو سن سکو... آخر تمہارے کان سپیشل کوالٹی کے ہیں۔" فاروق نے مسکرا کر سرگوشی کی۔

"بات تو تمہاری ٹھیک ہے، کبھی کبھی عقل مندی کی بات بھی کر جاتے ہو۔" فرزانہ نے طنزیہ لہجے میں کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"لو! ایک تو انہیں عقل کی بات بتاؤ.... اس پر طنزیہ جملے سنو۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تو تم بے کار کھڑے کیا کر رہے ہو... اب تمہارے کان اتنے بھی ناکارہ نہیں ہیں، یا تو فرزانہ کے ساتھ تم بھی اس دروازے سے کان لگا دو، یا پھر ذرا آگے جا کر جائزہ لے آؤ۔"

"میں آگے جانا پسند کروں گا۔" فاروق نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ آگے ایک اور کمرے کا دروازہ تھا، لیکن اس کے دروازے پر بھی ویسا ہی تالا لگا ہوا تھا۔ اس نے بھی جیب سے ایک تار نکالا اور تالے پر جھک گیا۔ پھر سب سے پہلے اسی کو کامیابی ہوئی۔ اس نے منہ سے ایک لفظ نکالے بغیر دروازہ آواز پیدا کیے بغیر کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں پھیلی کی پھیلی رہ گئیں.... بدن میں سنسنی کی ایک تیز لہر دوڑ گئی۔

پورا کمرہ غیر ملکی اسلحے سے بھرا پڑا تھا۔

○

تھر تھر کانپتے ہوئے وہ واپس پلٹا اور اپنے والد کے پاس

پہنچ کر دبی آواز میں بولا:

"ابا جان! یہ تالا میرے حوالے کریں.... اور آگے جا کر اس کمرے میں ایک نظر ڈال آئیں، میں اس کا تالا کھولنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔"

"بھئی واہ.... تم نے تو کمال کر دیا۔" انہوں نے خوش ہو کر کہا اور تالے میں سے چابی نکال کر آگے بڑھ گئے۔ محمود نے بھی فاروق کی بات سن لی تھی۔ اس نے اسے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم نے تالا کس طرح کھول لیا، اس کمرے میں کیا ہے؟"

"میں نے تالا اس تار سے کھولا ہے، اس کمرے میں کیا ہے، یہ تم خود دیکھ آؤ جا کر۔"

یہ کہہ کر وہ اس تالے پر جھک گیا۔ محمود نے کندھے جھٹکے اور وہ بھی تالا کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس بار پہلے محمود کو کامیابی ہوئی.... تالا کھل گیا۔ اس نے دروازہ دھکیلا اور اندر داخل ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، یہ پورا کمرہ چائے کے ڈبوں سے بھرا ہوا تھا۔ اتنی بڑی مقدار میں چائے دیکھنے کی اسے ہرگز امید نہیں تھی۔ حیرت زدہ سا باہر نکلا تو فاروق تالا کھول چکا تھا۔ دونوں ایک ساتھ اس کمرے میں داخل ہوئے.... اور ایک بار پھر انہیں زبردست جھٹکا لگا۔ یہ کمرہ کرنسی نوٹوں کی گڈیوں سے بھرا پڑا تھا۔ اسی وقت انسپکٹر جمشید واپس پلٹ آئے..... ان کی حیرت بھی زوروں پر تھی.... تینوں فرزانہ کے پاس آ گئے۔

"ہاں فرزانہ.... اس وقت تک کیا سنا ہے؟"

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اندر کوئی میٹنگ ہو رہی ہے.... یا پھر جیسے کوئی جلسہ ہو رہا ہے...."

"دروازہ اندر سے کھلا ہے یا بند؟"

"کھلا ہے...." اس نے کہا۔

"اچھا ٹھہرو...." انہوں نے چند لمحے تک کے لیے کچھ سوچا اور پھر بریف کیس میں سے ایک ریڈی میڈ قسم کی نقاب نکالی، اسے چہرے پر چڑھایا، بریف کیس کو بائیں ہاتھ میں پکڑا اور پھر انہیں وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولے:

"پہلے صرف میں اندر جاؤں گا.... تم دروازے میں تھوڑی سی جھری پیدا کر کے اندر کا منظر دیکھتے رہو اور ضرورت پڑنے پر میدان کارزار میں کود پڑنا، اگر اس وقت تک اکرام پہنچ جائے تو اسے بھی ساتھ لے آنا۔"

"جی بہتر.... لیکن یہ آپ نے نقاب کیوں چڑھا لیا ہے؟" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"فکر نہ کرو۔" یہ کہہ کر انہوں نے دروازہ تھوڑا سا کھولا اور اندر داخل ہو گئے۔

یہ ایک بہت بڑا ہال تھا اور اس وقت [illegible] آدمی موجود تھے.... اتنے آدمیوں کو دیکھ کر انسپکٹر جمشید

بھی چبوترے تلے سے زمین نکل گئی ..... عرفان دارا ایک پنج نما تخت پر
کھڑا تقریر کر رہا تھا۔ ایسے میں اگر وہ ان سب کو انسپکٹر جمشید پر
حملہ کرنے کا حکم دے دیتا تو ان کی ہڈیاں بھی نہ ملتیں۔ ابھی عرفان
دارا کی نظر ان پر نہیں پڑی تھی اور دوسروں کا رخ تو تھا ہی
عرفان دارا کی طرف، وہ سب پوری توجہ سے اس کی تقریر سن رہے
تھے۔ عرفان دارا کہہ رہا تھا:

"ہماری تعداد چند مہینوں میں ہی ہزاروں ہو جائے گی، تعداد
روز بروز بڑھتی جائے گی ..... تم لوگ اپنے رشتے داروں اور ملنے
جلنے والوں کو میرے پاس لاتے رہو گے، میں انہیں اس چائے
کا عادی بناتا رہوں گا ..... پھر ایک دن آئے گا ..... جب تمہیں
ایک شاندار پروگرام بتایا جائے گا ..... اس پروگرام کو سن کر تم
سب خوش ہو جاؤ گے ..... لیکن یاد رکھو، تم میں سے جس نے
بھی اپنے دوستوں اور ملنے جلنے والوں کو یہاں تک لانے میں کوتاہی
کی، وہ پچھتائے گا، اسے چائے کا ایک ذرہ بھی نہیں ملے گا۔
..... اور بے چائے رہ کے ..... تم لوگ جانتے ہی ہو، اس کا کیا
حال ہو جاتا ہے ..... ارے!"

اس کے منہ سے بوکھلانے کے انداز میں نکلا، کیونکہ اس
کی گھومتی ہوئی نظر انسپکٹر جمشید سے ٹکرا گئی تھی جو نقاب پوش کے
روپ میں تنے کھڑے تھے۔ اس کی نظروں کے تعاقب میں ہال میں

موجود دوسروں نے بھی پیچھے مڑ کر دیکھا اور ان کے منہ بھی حیرت
سے کھلے رہ گئے۔

"کون ہو تم؟" عرفان دارا نے چلا کر کہا۔

"بہت خوب! مجھ سے پوچھتے ہو، میں کون ہوں ..... حالانکہ تم
اچھی طرح جانتے ہو کہ میں کون ہوں ..... یہاں کون آ سکتا ہے .....
اتنی آسانی سے۔"

ان کے منہ سے نکلنے والی آواز نے نہ صرف عرفان دارا کو
بلکہ اس کے سامنے موجود تمام لوگوں کو بھی حیرت میں ڈال دیا .....
کیونکہ ان کے حلق سے بالکل عرفان دارا کی آواز نکلی تھی۔ انہوں نے
ان کی حیرت سے فائدہ اٹھایا اور گونج دار آواز میں کہا:

"میری آواز کی نقل اتار کر اور چہرے پر میرا میک اپ کر کے
تم عرفان دارا نہیں بن سکتے ..... میں اگر انسپکٹر جمشید سے بچنے کے
لیے چند دن کے لیے ایک جگہ چھپ گیا تھا تو اس کا یہ مطلب
نہیں تھا کہ واپس ہی نہیں آؤں گا، لیکن تم یہی سمجھے کہ اب میں
انسپکٹر جمشید کے ڈر کی وجہ سے واپس نہیں آؤں گا ..... اور میری
جگہ سنبھال بیٹھے، حالانکہ میری جگہ سنبھالنا اتنا آسان نہیں، تم تو
میرے ایک اشارے سے غلام ہو، [illegible]
سکتے ہو ..... خیر ..... میں تمہیں ایک ایسا سبق سکھاؤں گا کہ پھر کسی کو
ایسی حرکت کرنے کی جرأت نہیں ہو گی ..... اب تم بتاؤ [illegible]

والے کو تو سو گے اور تڑپ تڑپ کر ان سب کے سامنے جان
دے دو گے، یہی تمہاری سزا ہے .... چلے بڑے عرفان دارا بننے
..... بے وقوف .... میں نے چائے والے اور نوٹوں کے گوداموں پر
ایسے تالے لگا رکھے ہیں، جنہیں تمہارے فرشتے بھی نہیں کھول سکتے
اور تم ان لوگوں کو ایک ذرہ بھی چائے کا نہیں دے سکتے، اس وقت
تک تم وہ چائے دیتے رہے ہو، جو میں نے اوپر اپنے کمرے میں
رکھی ہوئی تھی ..... اس دوران تم گوداموں کے تالے کھولنے کی
مسلسل کوشش کرتے رہے ہو، لیکن انہیں کھولنا تمہارے بس کا کھیل نہیں تھا
.... اب تم ہاتھ اوپر اٹھا دو ..... تم میرے مجرم ہو .... اصلی عرفان
دارا کے غدار ہو .... تمہیں غداری کی سزا ہر حال میں ملے گی۔" یہ کہتے
ہوئے انسپکٹر جمشید نے پستول نکال لیا۔ اس کی نالی کا رخ عرفان
دارا کے بیٹے کی طرف ہو گیا۔

"یہ کیا بکواس ہے ..... تم شاید کوئی پاگل ہو .... بے وقوف اُلّو ....
میں عرفان دارا ہوں .... میرے علاوہ عرفان دارا کوئی نہیں ہو سکتا
.... تمہارا ضرور دماغ چل گیا ہے۔"

"اگر میں بے وقوف اُلّو ہوں .... پاگل ہوں .... بکواس کر رہا ہوں
اور میرا دماغ چل گیا ہے تو تم ذرا بتاؤ .... میں یہاں تک کیسے
پہنچ گیا .... اس خفیہ راستے سے میرے اور تمہارے علاوہ کون واقف
ہے .... تم نے اسی واقفیت سے فائدہ اٹھایا .... حقیقت کو

میری بات سنبھال بیٹھے ....

"اگر تم عرفان دارا ہو تو نقاب کیوں چڑھا رکھا ہے .... نقاب
الٹ کر کیوں نہیں دکھا دیتے۔"

"تمہارا پول کھولنے کے لیے یہ مجبوری تھی کہ میں ایک نقاب
پوش کی صورت میں سامنے آؤں .... نقاب کے نیچے میرا چہرہ تو
سو فیصد اصل ہے .... لیکن تم نے جو میک اپ کی تہیں چڑھا رکھی
ہیں .... جب انہیں اتارا جائے گا تو سب لوگوں کو معلوم ہو جائے
گا کہ دراصل تم عرفان دارا نہیں بہروپیے ہو .... میرے ساتھیو ....
میرے وفادارو .... اسے پکڑ لو .... اور اس کے چہرے سے
میک اپ اتار دو ..... ابھی حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی،
اس کے چہرے سے میک اپ اترنے کی دیر ہے .... پھر میں تمہیں
اپنے چہرے سے نقاب الٹ کر دکھا دوں گا اور اسی وقت
تم میرا اصلی چہرہ دیکھ لو گے۔"

"لیکن یہ لوگ پہلے تمہارا ہی نقاب کیوں نہ الٹ کر دیکھیں۔" عرفان
دارا نے بوکھلا کر کہا۔

"اس طرح تم فرار ہونے کی کوشش کرو گے .... اور میں غدار کو
بھاگنے کا موقع نہیں دے سکتا .... میرے ساتھیو .... اسے پکڑو
.... اگر یہ میک اپ میں ثابت نہ ہوا تو اپنے پستول کی قسم
یہاں میں خود اپنے دماغ میں اتار لوں گا۔"

اس میں موجود لوگ عجیب کشمکش و پیچ میں مبتلا ہو چکے تھے
ان کے چہروں سے الجھن جھلک رہی تھی .... یہ دیکھ کر انسپکٹر
جمشید نے ایک اور کاری وار کیا:
"عرفان دارا بنتے وقت تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ ابھی اصل
عرفان دارا زندہ ہے اور وہ کسی وقت بھی تمہاری شہ رگ
تک پہنچ سکتا ہے .... میرے وفادارو .... آخر تم کیا سوچ رہے
ہو .... جھوٹ اور سچ کا نظارہ کیوں نہیں کر لیتے ..... اگر یہ
شخص میک اپ میں ثابت نہ ہوا تو میں جھوٹا ثابت ہو جاؤں گا
اور اس وقت تم اس کا حکم مان لینا اور سب مجھے مل کر پکڑ
لینا .... آخر میں اتنے بہت سارے آدمیوں سے بچ کر کہاں جا
سکتا ہوں"
"ٹھیک ہے .... ٹھیک ہے" ایک آواز گونجی اور انسپکٹر
جمشید دل ہی دل میں مسکرائے - پھر سب نے چلا کر کہا:
"ٹھیک ہے .... ٹھیک ہے .... یہ دیکھ لینے میں کوئی حرج
نہیں کہ یہ شخص میک اپ میں تو نہیں"
اس کے ساتھ ہی وہ سب اٹھ کر عرفان دارا کی
طرف بڑھے، عرفان دارا بوکھلا گیا، اس کا رنگ اڑ گیا، وہ چیخ
کر بولا:
"بے وقوف .... یہ کیا کر رہے ہو .... خبردار میرے نزدیک

بھی آنا .... ورنہ پچھتاؤ گے"
"اے خبردار .... میرے وفاداروں کو تم بے وقوف کہہ رہے
ہو! بے وقوف ہو گئے تم خود" انسپکٹر جمشید نے بڑی بوڑھیوں
کے انداز میں کہا۔
اور پھر چاروں طرف سے عرفان دارا کو پکڑ لیا گیا ....
اس کے چہرے کو خوب رگڑا گیا، مسلا گیا .... میک اپ اتارنے
کی پوری پوری کوشش کی جانے لگی، اس دوران انسپکٹر جمشید نے
موقع سے فائدہ اٹھا کر بریف کیس کھول کر اس میں سے ایک
بوتل نکال لی تھی - اچانک لوگ خونخوار انداز میں ان کی طرف مڑے -
ان میں سے ایک نے چلا کر کہا:
"یہ میک اپ میں نہیں ہیں .... اب تم نقاب اتار کر دکھاؤ"
"پاگل نہ بنو .... یہ شخص اتنا بے وقوف نہیں کہ کچا میک اپ
کر کے یہاں عرفان دارا بن جاتا .... اس نے بہت پکا میک اپ
کیا ہوا ہے .... جو اس بوتل کے سیال سے اترے گا .... یہ بوتل
اور اس سے تجربہ کر کے دیکھ لو .... پھر دودھ کا دودھ اور
پانی کا پانی ہو جائے گا"
انہوں نے بوتل ان کے سروں پر اچھال دی۔ بوتل دبوچ
لی گئی - ایک بار پھر عرفان دارا کو پکڑ لیا گیا - وہ چیختا
رہ گیا:

"خبردار پچھتاؤ گے .... مجھے چھوڑ دو .... میں تمہیں چاول کے ایک ایک دانے سے ترسا دوں گا۔"

لیکن اس کی کسی نے نہ سنی اور پھر جونہی ہاتھ عرفان دارا کے چہرے پر لگا، جلد کی رنگت والے پلاسٹک کے ٹکڑے جو بالکل جلد کے ساتھ چپکے ہوئے تھے، الگ ہو گئے۔ نیچے سے ایک بالکل نیا چہرہ نکلتا چلا گیا .... لوگوں کی حیرت بڑھتی چلی گئی .... چہرہ صاف ہوتا چلا گیا اور پھر پورا میک اپ اتر گیا۔ دروازے سے باہر موجود محمود، فاروق اور فرزانہ کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ ان کے سامنے عرفان دارا کی بجائے طفیل شامی کھڑا تھا۔

○

"دیکھا .... میں نے کہا تھا نا .... یہ نقلی عرفان دارا ہے .... اب اسے غور سے دیکھ لو .... کہاں گیا عرفان دارا۔" انسپکٹر جمشید چیخے۔

"یہ شخص تمہیں دھوکا دے رہا ہے .... عرفان دارا میں ہی ہوں .... یہ خود کوئی فراڈ ہے۔" عرفان دارا نے تلملا کر کہا۔

"لو .... اب ہر طرح ثابت ہونے کے بعد بھی مجھے فراڈ بتا رہا ہے۔"

"اگر تم فراڈ نہیں ہو تو چہرے سے نقاب اتار کر کیوں نہیں

رکھ دیتے۔" عرفان دارا نے چلا کر کہا۔

"میں ایسا ضرور کروں گا .... ذرا آنا بھئی .... میرے چہرے سے نقاب اتار کر ان لوگوں کو میرا اصلی چہرہ دکھا دو۔" یہ اشارہ تھا محمود، فاروق اور فرزانہ کے لیے، تینوں اندر آ گئے۔ محمود نے ہاتھ اوپر کر کے ان کا نقاب اتار لیا۔ دوسرے ہی لمحے عرفان دارا اور کچھ دوسرے لوگوں کے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔ چیخنے والوں میں اسلام خان بھی تھا۔

"انسپکٹر جمشید .... یہ آپ ہیں۔"

"ہاں! اور میں تم سب کے بھلے کے لیے یہاں موجود ہوں، یہ شخص عرفان دارا عرف طفیل شامی ہمارے ملک کا غدار ہے، چائے، کرنسی نوٹوں اور اسلحے کے زور پر اس بار صدارتی انتخاب جیتنے کا پروگرام بنا رہا تھا، ہمارا ایک دشمن ملک اس کی پشت پر ہے، اسی ملک نے اسے وہ زہریلی چائے سپلائی کی، کرنسی نوٹ دیے ہیں اور اسلحہ بھی .... یہ چیزیں خفیہ ذریعے سے پہنچائی گئی ہوں گی، اسی دشمن ملک میں اس کا آنا جانا رہتا ہے .... وہاں سے یہ بدلے میں ریشم کا دھاگہ تھیلیوں میں منگاتا ہے .... بس ان تھیلیوں کے ذریعے یہ چیزیں آتی ہیں۔ کسٹم کے دو چار آدمی بھی اس نے چائے کے عادی بنا رکھے ہوں گے .... ان سب باتوں کی چھان بین اب تفصیل سے کی جائے گی کہ یہ تینوں چیزیں کس

طرح ملک میں آ گئیں اور اس کے ذمے دار کون کون لوگ ہیں۔ فی الحال تو صرف اتنا ہے کہ ہم اصل آدمی کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔"

"غلط.... بالکل غلط.... تم مجھے گرفتار نہیں کر سکے ہو۔ میں آزاد گھوم رہا ہوں اور میرے ان ساتھیوں کو اب یہ بات معلوم ہو گئی ہے کہ میں ہی اصل عرفان دارا ہوں، لہٰذا یہ میرا ساتھ دیں گے.... ورنہ یہ چائے کے بغیر تڑپ تڑپ کر مر جائیں گے...."

"ایسا نہیں ہے.... انہیں ضرورت کے مطابق اس وقت تک چائے دی جائے گی، جب تک کہ اس چائے کا توڑ دریافت نہیں کر لیا جاتا، بہترین ڈاکٹر اس کوشش میں مصروف ہیں اور وہ بہت جلد علاج دریافت کر لیں گے، پھر یہ آزاد شہریوں کی حیثیت سے اپنے ملک کے وفادار ہوتے ہوئے زندگیاں بسر کر سکیں گے.... میرا خیال ہے، ان میں سے کوئی بھی غداروں کی زندگی گزارنا پسند نہیں کرے گا۔"

"بالکل نہیں.... بالکل نہیں...." انہوں نے ہم آواز ہو کر انسپکٹر جمشید کا ساتھ دیا۔

اسی وقت دوڑتے قدموں کی آواز آنے لگی۔ شاید اکرام اور اس کے ساتھی پہنچ گئے تھے۔

"ابا جان! آپ نے یہ اندازہ کس طرح لگایا کہ عرفان دارا اور طفیل شامی ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔"

"آنکھوں کی بناوٹ اور رنگت سے.... اس نے باقی چہرے کا تو میک اپ تیار کر رکھا تھا.... لیکن آنکھوں کا میک اپ نہیں کر سکا تھا.... ہم عرفان دارا سے بھی ملے تھے اور طفیل شامی سے بھی...... دونوں کی آنکھوں میں بال برابر بھی فرق نہیں تھا، یہیں سے مجھے شک ہوا.... اس کا میک اپ ریڈی میڈ قسم کا تھا.... آنے جانے کے لیے یہ جنگل کا راستہ اختیار کرتا ہے.... دفتر میں بیٹھ کر میں نے اس کی تجارت کے بارے میں بھی معلومات حاصل کر لی تھیں۔"

"لیکن ابا جان.... اب ان لوگوں کا کیا ہو گا؟" محمود نے ان سب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ان کا علاج ہو گا.... ظاہر ہے کہ یہ چائے کی وجہ سے بے بس تھے.... ان کا اپنا اس میں کوئی قصور نہیں، لہٰذا یہ آزاد ہوں گے۔"

اسی وقت اکرام پولیس کے آفیسروں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

"لیجیے انکل! پکی پکائی ہانڈی تیار ہے.... وہ رہا آپ

کا مجرم ..... " فاروق نے عرفان داس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہاں طفیل شامی کو دیکھ کر ان کی حیرت کا کوئی ٹھکانا نہ رہا ..... وہ بہت اونچی حیثیت کا آدمی تھا .... لیکن قانون تو سب کے لیے ایک ہوتا ہے ..... اور قانون کا احترام کرنے والے اسے سب کے لیے ایک ہی رہنے دیتے ہیں۔

" چلیے ابا جان ، ہماری بھی اب چھٹی ہوئی .... کئی دن سے الجھے ہوئے تھے اس چکر میں .... ویسے اگر ہمارا واسطہ اتنے لمبے لمبے چکروں سے پڑنے لگ گیا تو کیس حل کرنے کی رفتار کام سست پڑ جائے گی .... آپ کا کیا خیال ہے "

" یہ کہ تمہیں کرنے کے لیے کوئی بات نہیں سوجھ رہی ..... اور تم بس ادھر ادھر کی ہانک رہے ہو " انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

" اچھا ! تو یہ ہیں وہ ادھر اُدھر کی .... کمال ہے مجھے آج ہی معلوم ہوا ہے " فاروق نے حیرت ظاہر کی

" ابا جان ! بہتر ہو گا کہ آپ اسے بھی چائے کا عادی بنا دیں ، کم از کم اس طرح ہم اس کی زبان پر تو کنٹرول حاصل کر ہی لیں گے " فرزانہ نے جل بھن کر کہا۔

" کبھی تو فرزانہ ٹھیک نمبر " محمود نے اس کا ساتھ دیا۔

" اگر اب اس نے زبان کھولی تو یہی کروں گا " انسپکٹر جمشید بولے۔

" ارے باپ رے " فاروق نے بوکھلا کر کہا اور منہ پر دونوں ہاتھ مضبوطی سے جما دیے۔

اشتیاق احمد کراچی میں

پہلے بھی اشتیاق احمد کراچی کے پڑھنے والوں سے دو بار ملاقات کر چکے ہیں، لیکن زیادہ تر بچے ان سے ملاقات نہیں کر سکے، ان کے اصرار پر ایک بار پھر وہ ملاقات کے لیے کراچی پہنچ رہے ہیں۔

ملنے کے خواہش مند مورخہ گیارہ نومبر ۱۹۸۱ء دوپہر دو بجے تا شام چھ بجے مندرجہ ذیل پتے پر تشریف لا سکتے ہیں۔

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید نمبر ۴۷

ہولناک لمحے

مصنف: اشتیاق احمد

انسپکٹر جمشید کو صدر مملکت کا ایک فون موصول ہوا۔
فون حد درجے عجیب تھا، سنسنی خیز تھا۔
صدر صاحب ایک عجیب مصیبت میں مبتلا ہو گئے تھے۔
انسپکٹر جمشید محمود، فاروق اور فرزانہ کے ساتھ وہاں پہنچے تو ایک عجیب صورت حال نے انہیں گھیر لیا۔
انہیں دو راستوں میں سے ایک راستہ چننا تھا، لیکن دونوں راستے انہیں تباہی کی طرف لے جاتے تھے۔ پھر انھوں نے کیا کیا۔
محمود، فاروق اور فرزانہ اس بار حیرت انگیز کام دکھاتے نظر آئیں گے۔

قیمت
۵/۵۰

آئندہ ناول کی ایک جھلک

آفتاب		انسپکٹر
آصف	اور	کامران مرزا
فرحت		سیریز نمبر ۱۷

ایشیا کا جلاد

مصنف: اشتیاق احمد

- ایشیا کے جلاد کا نام آپ نے سب سے پہلے سونے کی تین فائر میں سنا تھا۔
- اس کے بعد وہ آپ کے سامنے وادی دہشت میں آیا۔
- لیکن اس کا انسپکٹر کامران مرزا یا انسپکٹر جمشید سے براہ راست آمنا سامنا نہیں ہوا۔
- اس ناول میں وہ باقاعدہ انسپکٹر کامران مرزا کے مقابل آ رہا ہے۔
- چونکہ اب نقلی اشتیاق احمد نے بھی جنم لے لیا ہے اس لیے کہانی کا کوئی اشارہ نہیں دیا جا رہا۔

قیمت: ۵/۵۰

ماہ دسمبر کی کتاب

حسینؓ کی باتیں کے بعد

مکتبہ اشتیاق کی ایک اور فخریہ پیشکش

صحابہؓ کی باتیں

مصنف: اشتیاق احمد

- ان کے لیے جنہوں نے اسلامی سلسلہ بند ہونے کا اعلان پڑھ کر پرزور احتجاج کیا۔
- مجھے کم کم سنا رہیں کہ اتنا دلچسپ سلسلہ کیوں بند کیا جا رہا ہے...
- صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کے جھنجھوڑ دینے والے واقعات کا خوبصورت مجموعہ۔
- ایسے واقعات شاید آپ نے آج تک نہ پڑھے ہوں گے۔
- زندگی اور زندگی کے بعد بھی کام آنے والی قیمتی کتاب
- اس سلسلے کی پہلی چھ کتب کی طرح آپ اسے بھی ناولوں سے بڑھ کر دلچسپ حیرت انگیز اور سنسنی خیز پائیں گے۔

قیمت ۵/۰۰

کرداروں سے سوال

اس بار مندرجہ ذیل تین کے سوالات انعامی قرار پائے ہیں، انہیں پانچ پانچ ناولوں کا پیکٹ ارسال کیا جا رہا ہے۔

۱۔ عاصم علی معرفت ملک محمد نواز۔ اے ڈی سی (ر) جہلم۔

۲۔ غلام حسین شریف ۹۹/۶ کے سی۔ امینہ منزل مکان نمبر ۸ میانی روڈ، کھارادر کراچی

۳۔ محمد شفیع درانی ۱۸ کنال روڈ۔ نیاز بیگ ٹھوکر۔ لاہور

نیلوفر ملک۔ فیصل آباد

س: محمود صاحب آخر آپ ہی کیوں دروازہ کھولنے جاتے ہیں، انہیں یہ بات تو نہیں کہ جب تک آپ دروازے کو ہاتھ نہ لگائیں، وہ نہیں کھلتا۔

ج: بس کچھ عادت سی پڑ گئی ہے دروازہ کھولنے کی، ادھر گھنٹی بجی، ادھر میں اٹھا۔

نعمان ریاض۔

س: جناب فاروق! اگر آپ کے سامنے وہی نوذتی آ جائے جس کا ذکر اشتیاق احمد

فرزانہ پروگرام میں کیا تھا تو آپ کا کیا ردعمل ہوگا۔

ج: یقیناً میری سٹی گم ہو جائے گی۔

عاصم علی۔ جہلم (انعامی)

س: انکل جمشید آپ ہر بڑے مجرم کو اس لیے تو نہیں چھوڑ دیتے کہ وہ آپ کو اور انکل کامران مرزا کو ایک مشترکہ مہم سر انجام دینے کا موقع فراہم کرے۔

ج: مجرموں کا بچ جانا ایک اتفاق ہی کہا جا سکتا ہے، وہ بڑے ہوں یا چھوٹے۔

عمران، سعدیہ، حمیدہ۔ اٹک

س: انکل اشتیاق! آپ اپنے ناولوں میں محاورے بہت استعمال کرتے ہیں، کہیں ہماری آنٹی آپ کو کھانے میں محاورے تو نہیں کھلاتیں۔

ج: اگر کسی دن انہوں نے کھانے میں محاورے دیے تو آپ کو ضرور دعوت دوں گا۔

ایم فاروق باری۔ کراچی

س: فاروق میاں، سوٹ کیس کا سفر میں انسپکٹر جمشید کی دھول سے بچنے پر مبارک باد قبول کیجیے۔

ج: شکریہ! آپ کا دل دھول کھانے کو چاہے تو بتا دیجیے گا۔

غلام حسین شریف۔ کراچی (انعامی)

س: اشتیاق احمد آپ نے ایک ناول میں لکھا تھا کہ آپ کا قد چھوٹا ہے اس لیے ملاقات کی غرض سے آئیں تو بھی اوپر دیکھیں، لیکن ہم آپ کو

ڈھونڈنے آئیں گے تو ہمیں ڈھونڈنے کون آئے گا کہ ہمارا خرچ بھی ....؟

ج: بھئی آپ وہ ہمیں ساتھ لیتے آئیے نا، اس کے ذریعے خود کو ڈھونڈ لیجیے گا۔

عزیز احمد رحمانی حیدر آباد

س: انسپکٹر جمشید! میں آپ سے بہتر منہ بنانا سیکھنا چاہتا ہوں، بتائیے فیس کیا لیں گے؟

ج: بھئی میری فیس ادا کرنا ذرا ٹیڑھا سا کام ہے اور پھر اس کام میں تو فاروق اور فرزانہ مجھ سے آگے ہیں۔

محمد شفیع درانی۔ لاہور (انعامی)

س: آپ کے شہر میں تو لوگ آپ کے کارنامے ایک روپے کے اخبار میں پڑھ لیتے ہیں مگر ہم ساڑھے پانچ روپے کے ناول میں پڑھتے ہیں، ہم پر یہ ظلم کیوں؟

ج: اب کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ اخبار ساڑھے پانچ روپے کا بکا کرے۔

ریحان احمد۔ راولپنڈی

س: انکل اشتیاق، معلوم ہوا ہے، آپ تمیرو کا کا زبان استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے آپ اتنے ذہین ہیں، ہم نے پورے ملک میں اس ملک کو تلاش کیا، لیکن تمام پیکٹ غائب تھے۔

ج: یار کیوں جھوٹ بولتے ہیں، تمیرو کا کا زبان تو بازار میں عام مل رہا ہے ہاں چینی کی دال کی بات کرتے تو کوئی بات بھی تھی۔